ماہنامہ
گوجرانوالہ
فلاحِ آدمیت
Reg: CPL No. 80
وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا
اللہ
محبت
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
سلسلہ عالیہ توحیدیہ

منشور دعوت

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ط

الاعراف - 205

ترجمہ

اپنے رب کو اپنے دِل میں عاجزی اور ڈر کے ساتھ، اُونچی آواز نکالے بغیر، صبح وشام یاد کرو۔ اور غافلوں میں سے نہ ہونا۔
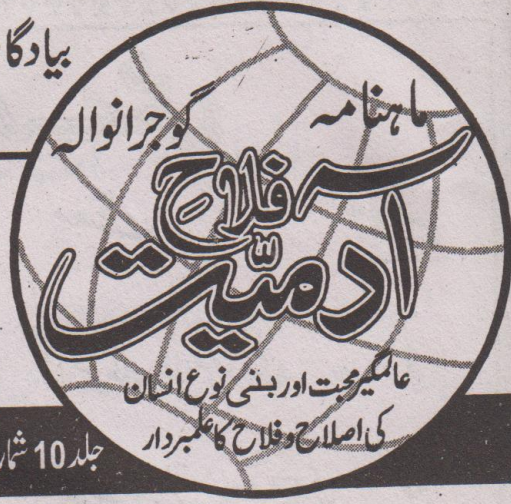
ایڈیٹر **وحید احمد**

مجلس ادارت

قیمت ——— 20/- روپے
سالانہ فنڈ ——— 200/- روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
مرکز تعمیر ملت نزد وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:055-3862835
Mob: 0300-6493335

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:055-3881379
Mob:0300-7409533

پبلشر: عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-55-4222020
E-mail: tohidia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

درس قرآن

انسانی نفسیات۔ گمراہی کے اسباب

(ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰؒ)

اس مقام پر قرآنِ مجید صرف حرام چیزوں کی نشاندہی کرنے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ انسانی نفسیات کا خوبصورت تجزیہ کرتے ہوئے گمراہی کے اسباب بھی بیان کرتا ہے۔

پہلا سبب۔ جمہوریت

ایک سبب یہ کہ کسی عمل کو کثیر لوگ کریں تو اِسے ٹھیک سمجھ لیا جائے اور آج کے دور میں یہی راگ الاپا جاتا ہے کہ اکثریت کی رائے کو درست تسلیم کیا جائے، جبکہ یہ بات امر واقعہ اور حقیقت کے برعکس ہے۔ قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر اس کی صراحت کی گئی ہے۔ جس کا تذکرہ آئندہ ایک مقام پر ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ قرآنِ مجید کثرت اور کثرت رائے کو معیارِ حق نہیں سمجھتا۔ اس کے ساتھ قرآن مجید نے پیغمبرﷺ کی زبان مبارک سے اعلان بھی کروا دیا۔

قل لا یستوی الخبیث والطیب ولو اعجبك كثرة الخبیث ۔ فاتقوا اللہ یا ولی الالباب لعلکم تفلحونo

''اے پیغمبر (ﷺ) ان سے کہہ دو کہ پاک اور ناپاک بہر حال یکساں نہیں خواہ ناپاک کی بہتات تمہیں کتنا ہی فریفتہ کرنے والی ہو، پس اے لوگو! جو عقل رکھتے ہو اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو تقویٰ اختیار کرو، امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی۔'' (المائدہ۔ 100)

معلوم ہوا کہ اگر ایک طرف اکیاون لوگ ہیں اور دوسری طرف انچاس تو اکیاون ہاتھوں کا ہر حال میں درست اور صحیح ہونا ضروری نہیں۔

پہلے ہر بات پہ ہم سوچتے تھے
اب فقط ہاتھ اُٹھا دیتے ہیں

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

گریز از طرزِ جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

اقبال نے جمہوریت کے بارے میں مزید فرمایا ہے۔

جمہوریت اِک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے

نیز اقبال ہی کا کہنا ہے۔

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

یہ ضروری نہیں کہ اکیاون ہاتھ جو اُنچاس کے مقابلے میں بظاہر بھاری ٹھہرے ہیں، اِن سب لوگوں نے پوری طرح بیداری کے عالم میں کھڑے کئے ہوں۔ دیکھ لینا چاہئے کہ ان میں سے کتنے لوگ بیداری کے عالم میں ہیں اور کتنے نیم خوابی کے عالم میں اِس لئے مطلقاً کثرت معیارِ حق نہیں۔

دوسرا سبب۔ رسوم ورواج

گمراہی کا دوسرا سبب آباؤاجداد کے رسوم ورواج ہیں۔ یعنی ہمارے باپ دادا جو کرتے چلے آ رہے ہیں، ہم وہی کریں گے۔ اب یہ ضروری نہیں کہ باپ دادا بھی اتنے ہی ذہین وعقلمند ہوں جتنا کہ ہم ہیں اگر خدانخواستہ وہ بھی اتنے ہی جاہل ہوں جتنا کہ ہم ہیں اور اُنہوں نے بھی اپنے آباؤاجداد کی ایسی ہی اندھی تقلید کی ہو جیسا کہ ہم کر رہے ہیں، تو پھر کیا ہوگا؟ اگر ان میں بھی عقل وہدایت نہ ہو تو پھر کیا کریں گے؟ اس لئے کسی کی بھی اندھی تقلید، خواہ وہ آباؤاجداد ہی کیوں نہ ہوں، اسلام میں جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بھی گمراہی کا ایک سبب ہے:

واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللّٰہ والی الرسول قالو ا حسبنا ما وجدنا علیه اباء نا اولو کان اباؤھم لا یعلمون شیًٔا ولا یھتدونo (المائدہ۔104)

''اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے اِس کی اور رسول اللہ کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں کہ جس طریق پر ہم نے اپنے اپنے دادا کو پایا ہے، وہی ہمیں کافی ہے۔ بھلا اگر ان کے باپ دادا نہ تو کچھ جانتے ہوں اور نہ سیدھے راستے پر ہوں (تب بھی)

تیسرا سبب! عیب چینی

تیسری بات جسے اسلام نے گمراہی کا سبب قرار دیا ہے، وہ یہ ہے کہ انسان اپنی فکر کرنے کی بجائے دوسروں کے پیچھے پڑ جائے۔ ان کے عیب کھوجتا پھرے۔ اس کو مشورہ دیا جا سکتا ہے کہ "تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو"۔

قرآنِ مجید نے اِس بات کو کس قدر عمدگی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

یایھا الذین امنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم الی اللہِ مرجعکم جمیعا فینبئکم بما کنتم تعملونo

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنی فکر کرو، کسی دوسرے کی گمراہی سے تمہارا کچھ نہیں بگڑتا اگر تم خود راہ راست پر ہو اور اللہ کی طرف تم سب کو پلٹ کر جانا ہے پھر وہ بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو؟"۔ (المائدہ۔105)

یعنی راہِ حق بتا دو، بات کھول کے بیان کر دو۔ اِس کے بعد تمہاری ذمہ داری ختم ہو گئی۔ اب کوئی شخص اُسے اپنا تا ہے تو بہت اچھا ورنہ اُسے اللہ کے ہاں خود جواب دہ ہونا پڑے گا۔ تمہیں جتھے بندی کرنے یا ڈنڈا لے کر اس کے پیچھے پڑنے کا حق نہیں پہنچتا ہے۔ تم اگر اس کے خلاف فسق و فجور یا کفر کا فتویٰ دو گے تو تم قوم کو تقسیم کرنے کا موجب بنو گے اور یہی بات گمراہی کا ذریعہ بن جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا تینوں باتوں سے روکا ہے۔

ایک معجزہ۔ آسمانی دسترخوان

اس سورۃ میں ایک معجزے کا ذکر ہے۔ یعنی مائدہ (دسترخوان) کا نازل کیا جانا اور یہی اس سورہ کا نام بھی ہے۔ بنی اسرائیل نے اللہ کے نبی سے یہ مطالبہ کیا کہ ایک دسترخوان (مائدہ) ان پر نازل ہو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی دعوت عام ہو۔ تو اللہ کے نبی نے کہا کہ معجزہ تو پورا ہو جائے گا لیکن اگر معجزے کے ظہور کے بعد تم میں سے کسی نے حق سے انکار کیا تو پھر ایسی عبرتناک سزا ملے گی کہ اِس سے پہلے کسی کو ایسی سزا نہیں ملی ہو گی۔ دراصل معجزے کی حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

معجزے کی حقیقت

پہلی بات تو یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا دور حسی معجزوں کا دور ہے۔ ایسے معجزے جو حواس خمسہ

سے محسوس کئے جائیں جیسے مائدہ، لاٹھی کا سانپ بن جانا یا عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں لوگوں کا شفایاب ہوجانا وغیرہ۔

حضور اکرم ﷺ کے دور میں حسی معجزات تو موجود ہیں لیکن اصل زور حسی معجزے کی بجائے علمی، عقلی، روحانی اور معنوی معجزات پر ہے۔ آپ قرآن مجید کو دیکھ لیجئے۔ پہلے بھی عرض کیا جاچکا ہے کہ کائنات کی تاریخ کا سب سے عظیم اور دائمی معجزہ ہر شخص کے گھر میں رکھا ہوا ہے۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانی ارتقاء کے ساتھ ساتھ یہ ذوق اور معیار بدلتا گیا۔

ایک سمجھنے کی چیز یہ ہے کہ وہ قوم جو معجزے طلب کرتی ہے، وہ معجزے کی بنیاد پر کبھی دین قبول نہیں کیا کرتی۔ تاریخ اس بات پہ شاہد ہے کہ یہ لوگ معجزے کو بعد میں جادو قرار دے دیتے ہیں۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ معجزہ قبولِ دین کا ذریعہ نہیں ہوتا بلکہ معجزہ اِن لوگوں کیلئے ہوتا ہے جو پہلے سے دین قبول کرچکے ہوں اور جب معجزہ ان کے پاس آتا ہے تو ان کے دین وایمان میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نزول مائدہ کے باوجود بھی بنی اسرائیل نے کٹ حجتی جاری رکھی جس کے وبال کا ان کوشکار ہونا پڑا۔

نجات کی راہ۔ سچائی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

قال اللّٰہ ھذا یوم ینفع الصدقین صدقھم ۔ لھم جنت تجری من تحتھا الانھر خلدین فیھا ابدًا۔ (المائدہ۔119)

''اللہ فرمائیں گے کہ آج وہ دن ہے کہ سچے لوگوں کو ان کی سچائی ہی فائدہ پہنچائے گی۔ ان کیلئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ تک ان میں بستے رہیں گے''۔

گویا آخرت میں نجات کا ذریعہ دنیا میں راست بازی کی زندگی گزارنا ہے۔

الانعام

نام!

اس سورۃ میں ''مویشیوں'' کے حلال وحرام کا تذکرہ ہے۔ اِسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام ''الانعام'' رکھا گیا ہے۔ ''الانعام'' کا معنی ہے چوپائے، مویشی۔

مکی اور مدنی سورتیں

زمانہ نزول اور شانِ نزول کے تذکرے سے پہلے مکی سورتوں کی وجہ تسمیہ اور اُن کے خصائص پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔

مکی سورتیں وہ ہیں جو نبی کریم ﷺ کے سفرِ ہجرت سے قبل نازل ہوئیں۔ جو سورتیں سفر ہجرت کے بعد نازل ہوئیں، اُنہیں مدنی کہا جاتا ہے۔ ان دونوں میں مضامین کے اعتبار سے یوں فرق کیا جاسکتا ہے کہ مکی دور دراصل نبوت اور دین اسلام کے تعارف کا دور ہے۔ اِس دور میں مبادیاتِ دین کے متعلق بحث کی جاتی ہے۔ مثلاً

(الف) شرک اور توحید کا اِس انداز سے تذکرہ کرنا کہ فطرت انسانی اِس کے قبول کرنے کی طرف مائل ہو۔

(ب) موت اور مابعد الموت زندگی کا حق ہونا اور اِس باطل نظریہ کی تردید کہ اِس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی نہیں۔

(ج) رسوم جہالت اور توہمات کی تردید اور اسلام کے اخلاق حسنہ کی تبلیغ، تا کہ انہی خطوط پر آئندہ معاشرہ تشکیل دیا جاسکے۔

(د) نبی اکرم ﷺ کی دعوت حق اور رسالت پر اعتراضات کی تردید اور متکبرین و مخالفین کو اُن کی ہٹ دھرمی پر زجر و توبیخ، نیز مسلمانوں کو دعوت دین کے فوری اثرات کے ظاہر نہ ہونے پر تسلی دینا۔

ایک طالب علم جب مکی دور میں نازل ہونے والی سورتوں اور آیات کی اِس خصوصیت کو جان لیتا ہے تو قرآنِ مجید کے اسلوب کو سمجھنا از خود آسان ہو جاتا ہے۔

اِس کے برعکس مدنی دور میں نازل ہونے والی آیات اور سورتوں میں احکام اور اصول جہانبانی کا ذکر کیا گیا ہے۔ مدنی دور کی آیات اور سورتوں کے نزول کے تعین نسبتاً آسان اور مکی دور کی تعلیمات کے دور کا تعین قدرے مشکل ہوتا ہے۔ البتہ آسانی کی خاطر ہم نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کی مکی زندگی کو مختلف ادوار میں یوں تقسیم کر سکتے ہیں:۔

(1) آغازِ نبوت کے دور میں دعوتِ توحید انفرادی اور خفیہ تھی۔

(2) اِس کے بعد پیغام توحید کا علانیہ پہنچانے کا حکم دیا گیا اور یہ زمانہ بعثت کے بعد چوتھے سال سے شروع ہوتا ہے۔

اِسی دور میں مخالفت اور ظلم و ستم کا آغاز ہوا۔

(3) تیسرا دور سیدہ خدیجہؓ اور ابو طالب کے انتقال کے کچھ عرصہ پہلے کا دور ہے جس میں مسلمانوں کو حبشہ کی جانب ہجرت کی اجازت مل گئی۔

اِسی دور میں خاندان نبوی اور مسلمانوں کو شعب ابی طالب میں محصور ہونا پڑا۔

(4) اس دور کے بعد آپ نے مضافاتِ مکہ میں پیغامِ حق پہنچانے کیلئے سفر کئے۔ طائف کا سفر بھی اِسی دور میں ہوا۔ بایں ہمہ اب مکہ میں رہنا مسلمانوں بلکہ خود نبی اکرم ﷺ کیلئے بھی مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ کفارِ مکہ آپ کے قتل کے منصوبے بنانے لگے مگر

تدبیر کند بندہ ، تقدیر زند خندہ

کے مصداق اللہ تعالی نے مسلمانوں کیلئے انصارِ مدینہ کے دلوں میں محبت پیدا کر دی اور اسلام کی نشر و اشاعت کیلئے مدینہ میں ایک مضبوط اور مستحکم بنیاد رکھ دی گئی۔

اِس تفصیل کے بعد ہم اس سورۃ کے زمانہ نزول، شانِ نزول اور مضامین کا ذکر یوں کر سکتے ہیں۔

زمانہ نزول

اسماء بنت یزید فرماتی ہیں کہ مکہ میں اِس سورۃ کے نزول کے وقت نبی کریم ﷺ اُونٹنی پر سوار تھے اور میں نکیل تھامے ہوئے تھی۔ نزولِ وحی کے بوجھ سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ اونٹنی کی ہڈیاں چیخ رہی ہیں۔

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ مکمل سورۃ ایک ہی وقت میں مکہ میں نازل ہوئی اور نبی کریم ﷺ نے اِسی رات اِس کو لکھوا دیا۔

شانِ نزول اور مضامین

سورۃ کے مضامین میں تفصیل سے اِس سورۃ کی شانِ نزول از خود معلوم ہو جاتی ہے کہ مکہ کے کفار رد و انکار کی اِس انتہا کو پہنچ چکے تھے کہ اگر کوئی شخص اسلام کی طرف مائل ہوتا یا اسلام قبول کر لیتا تو کفارِ قریش اِس کو ہر طرح کی اذیت پہنچاتے۔ مالی و معاشرتی مقاطعہ کے ساتھ ساتھ جسمانی اذیت کا کوئی سا بھی طریقہ ایسا نہ ہوتا، جو ان بے کس اور مظلوم مسلمانوں پر آزمایا نہ جاتا ہو۔ مسلمان ان سب اذیتوں اور تکالیف کو برداشت بھی کرتے اور اس پیغامِ حق کو دوسرے افراد تک

پہنچانے کیلئے کوئی سا بھی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ اِن کوششوں اور مجاہدانہ سرگرمیوں کے نتیجے ہی میں مدینہ کے لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے اور مسلمانوں کو اُمید کی شمع روشن ہونے کی ایک سبیل نظر آئی۔

ایسے میں عقیدہ توحید اور اِس پر ثابت قدم رہنا، شرک کی بے ثباتی اور اُس کے تاریک اثرات، عقیدہ آخرت اور مابعد الموت کے احوال اور اقوام سابقہ کے احوال کا ذکر کر کے مسلمانوں سے آخرت کے عظیم اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا۔ اِسی طرح دورِ جاہلیت کی معاشرتی برائیوں، نظریاتی آلودگی اور اولاد و اقرباء کے ساتھ روا رکھے جانے والے ظلم و ستم سے روکا گیا۔

سورۃ کے آخری حصے میں مشرکانہ رسوم کو خصوصیت سے بیان کیا (مثلاً نبیوں اور اولیاء کے نام منسوب کی گئی نذر و منت، غیر اللہ کے نام پر جانوروں کی نذر، اولاد کو بتوں کے نام پر قربان کرنا، اولاد کو افلاس و فقر کے خوف سے قتل کر ڈالنا وغیرہ) اور اُن کے باطل ہونے کی وضاحت کی گئی۔ اِسی طرح معاشرتی زندگی مثلاً ناپ تول پورا کرنا، عدل، ایفائے عہد، گفتگو میں عدل و انصاف اور ایمان کے اجر و ثواب کی عظمت کا ذکر ہے۔ اس سورۃ کا خصوصی درس اس آیت کریمہ کو قرار دیا جا سکتا ہے۔

وان هذا صراطی مستقیما فاتبعوه ۔ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله ۔ (الانعام :153)

''دیکھو یہ میرا سیدھا راستہ ہے، اس کی پیروی کرو۔ اور (اِدھر اُدھر کے) راستوں کی پیروی نہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے (صحیح) راستے سے بھٹک کر تم کئی گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ''۔

بنیادی سوال

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی)

بنی نوع انسان کے لیے سب سے اہم اور بنیادی سوال یہ ہے کہ انسانی زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ کیا انسان بھی کرۂ ارض پر بسنے والے دوسرے حیوانوں کی طرح ایک عام سا حیوان ہے یا ان سے منفرد اور مختلف کوئی ہستی ہے؟ اور یہ بھی کہ کیا انسان کی زندگی کی ابتدا رحم مادر ہی سے شروع ہوتی اور موت پر ختم ہو جاتی ہے یا حیات ارضی کا عرصہ انسان کی تربیت اور امتحان کے لیے مخصوص ایک نہایت ہی مختصر سی مدت ہے؟ جب تک اس سوال کا درست اور مفصل جواب تلاش نہ کیا جائے یہ طے کرنا ناممکن ہے کہ مجموعی طور پر کس قسم کا نظام حیات بنی نوع انسان کو حقیقی کامیابی سے ہمکنار کر سکے گا۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ اربوں سال پہلے جب یہ زمین وجود میں آئی تو اس پر سب سے پہلے زندگی کا آغاز نباتات کی صورت میں ہوا اس کے بعد بالترتیب سمندری حیوانات، خشکی پر رینگنے والے جانور، چوپائے اور پرندے وجود میں آئے اور سب سے آخر میں انسانی زندگی کا آغاز ہوا۔ حیات کے اس ارتقائی سفر کا مطالعہ کریں تو یہ حقائق سامنے آتے ہیں کہ سورج، ہوا پانی اور مٹی کے عناصر کے تعاون سے نباتی زندگی وجود میں آئی۔ گویا نباتات کی پیدائش اور پرورش کے لیے جمادات نے بنیاد فراہم کی۔ اس سے اگلے مرحلے میں حیوانات کا ظہور ہوا تو انہوں نے اپنی غذا نباتات سے حاصل کی سب سے بعد میں ظہور میں آنے والا حضرت انسان زمین سے اگنے والے پتوں، پھلوں، پھولوں، غلوں اور سبزیوں کے علاوہ حیوانات کو بھی اپنی غذا اور دوسری ضروریات کے لیے استعمال کرتا ہے اور ساتھ ہی سورج، ہوا، پانی اور مٹی سے بھی استفادہ حاصل کرتا ہے۔ زندگی کے مراحل کی اس ترتیب سے حیاتیاتی طور پر انسان کی نمایاں اور برتر حیثیت کا اظہار ہوتا ہے اس کے علاوہ ایک اور حقیقت بھی قابل غور ہے کہ زمین و فضا اور خلا میں بے شمار طاقتیں اور لاتعداد چیزیں انسانی زندگی کی بقا اور ترقی میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں انسان ان سب سے کچھ نہ کچھ حاصل کر کے مختلف فائدے اٹھا رہا ہے لیکن ان کی زندگی میں انسان کا کوئی حصہ نہیں

ہے اس سے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ انسان کے اردگرد جو کچھ بھی ہے وہ اس کی خدمت کے لیے ہی پیدا کیا گیا ہے چنانچہ ہم اس حقیقت کے قائل ہیں کہ سورج، چاند، زمین، آسمان، ہوا پانی، آگ، مٹی، درخت، جنگل، پہاڑ، کیڑے مکوڑے، چرند پرند سب انسان کی خدمت ہی میں لگے ہوئے ہیں، اسی طرح برقی قوت، مقناطیسی قوت، کاسمک شعاعیں، ریڈیائی لہریں اور کشش ثقل کے علاوہ ان گنت مخفی قوتیں جو ابھی تک ہمارے احاطہ علم میں نہیں آسکیں انسان کی زندگی میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سے اگر چند ایک چیزیں مفقود ہو جائیں تو انسانی زندگی تعطل، جمود اور انحطاط کا شکار ہو کر رہ جائے بلکہ ممکن ہے سرے سے انسان کا وجود ہی باقی نہ رہے اس کے برعکس اگر انسان اس دنیا میں نہ ہوں تو باقی ہر شے اپنی جگہ پر برقرار رہے گی اور ان کی حیات یا وظیفہ عمل میں قطعاً کوئی فرق واقع نہیں ہوگا۔ کائنات کے ساتھ انسان کا تعلق یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ کائنات تو انسان کے لیے پیدا کی گئی ہے لیکن انسان کی تخلیق اس مادی دنیا کے لیے نہیں بلکہ اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ مقصد کے لئے کی گئی ہے بقول شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ۔

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

اس کے علاوہ زندگی کے ارتقا کا بھی یہ تقاضا ہے کہ جس حیات نے جمادات سے جنم لیا اور پیچیدہ نباتی اور حیوانی مراحل طے کرتی ہوئی کروڑہا سالوں میں انسانی صورت میں ظہور پذیر ہوئی اسے زمان و مکان کی حدود سے گزر کر آگے بڑھتے رہنا چاہئے۔ اس طرح یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ حیات ارضی کے بعد اس سے بھی اعلیٰ اور برتر زندگی کا وجود ارتقاء حیات کا منطقی نتیجہ ہوگا۔ ان دلائل کے علاوہ انسان کا وجدان بھی اس حقیقت کو محسوس کرتا ہے اور اس کے باطن کی گہرائیوں میں یہ سرگوشیاں ہوتی رہتی ہیں کہ مجھے مٹ جانے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ موت کی کٹھن منزل سے گزر کر بھی میں کسی نہ کسی صورت میں ضرور زندہ رہوں گا اور اس دنیا میں جو ظالم اور بدکردار لوگ عیش و عشرت کرتے رہے اور دنیوی عدالتوں کے سزاؤں سے بچ گئے اور پاک باز اور نیک انسان سختیاں جھیلتے رہے ان کیساتھ دوسری دنیا میں پورا انصاف کیا جائے گا۔

عقل کی حدود

انسان نے اپنی سہولت کے لئے سینکڑوں قسم کی مشینیں ایجاد کر رکھی ہیں ان سے صحیح طور پر کام لینے کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ ان کے بارے میں جان کاری حاصل کی جائے۔ اسی لئے مشین کے طریقہ استعمال اور اس کی مناسب دیکھ بھال کی تعلیم دینے کے لئے اس کا ڈیزائنر اور بنانے والا ادارہ خریداروں کو مشین کے ساتھ ایک کتابچہ ہدایات بھی مہیا کرتا ہے۔ اگر ان ہدایات پر عمل کیا جائے تو مشین کی کارکردگی عمدہ اور عمر طویل ہوگی بصورت دیگر لاپرواہی کے نتیجہ میں اس میں لاتعداد نقائص پیدا ہو جائیں گے اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مشین اپنی تخلیق کے مقاصد ادا کرنے کے قابل نہیں رہے گی آخر کار اسے ایک بیکار چیز سمجھ کر کاٹھ کباڑ میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی چیز کو اس کے خالق سے زیادہ بہتر کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا اس لئے بہترین نتائج اسی صورت میں حاصل کئے جاسکتے ہیں جب اس کے خالق کی دی ہوئی ہدایات پر پوری طرح عمل کیا جائے۔ جس طرح کوئی مشین یا حیوان اپنی بہتری یا بھلائی کے متعلق کتاب ہدایت خود مرتب نہیں کر سکتا اسی طرح انسان بھی ایک جامع اور بے خطا آئین مرتب کرنے سے قاصر ہے جو اسے حقیقی کامیابی سے ہمکنار کر سکے۔ کیونکہ جب تک انسان کی شخصیت اور اسکی زندگی کی حقیقت کو پوری طرح نہ سمجھا جائے اسکے برے بھلے کا فیصلہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ لیکن انسان کے لیے اپنے آپ کو سمجھنا یعنی عرفان نفس حاصل کرنا ایک کار دشوار بلکہ ناممکنات میں سے ہے۔ سائنسدانوں کے اندازے کے مطابق انسان کو زمین پر پیدا ہوئے تقریباً دس لاکھ برس ہو چکے ہیں۔ اس طویل عرصہ میں وہ اپنی عقل کے بل بوتے پر مادی اشیاء کو بھی مکمل طور پر سمجھ نہیں پایا تو نفس، قلب اور روح کی نزاکتوں اور روحانی عوالم کی لطافتوں کو بھلا کیونکر جان سکتا ہے۔ زندگی بذات خود ایک ایسا راز ہے کہ موجودہ سائنس اپنی تمام تر ترقی کے باوجود اس کی دریافت کے قریب بھی نہیں پہنچ سکی۔ پاکستان کے ایک عظیم مفکر علامہ عنایت اللہ خاں مشرقی نے دنیا بھر کے سائنسدانوں کے نام اپنے ایک مراسلہ بعنوان ”انسانی مسئلہ“ میں تحریر فرمایا۔

ہمارا علم کیمیا صرف بے جان مادے کا علم ہے ۔اس نے چند عمدہ اور مفید مرکبات یا تجریدی معجزے تیار کیے ہیں لیکن زندگی کے مسئلہ کا حل ان دریافتوں سے نہیں ہو سکا ۔سائنسدان شرم کا مارا روز اول سے ہی سٹپٹا رہا ہے جب وہ مکمل سکتے میں ایک انڈے کو دیکھتا ہے کہ خود بخود پھٹ کر چوزہ بن چکا ہے درآنحالیکہ وہ اس انڈے کے اندر جو تغیر رونما ہوتا رہا ہے اس کے کسی چھوٹے سے چھوٹے عمل کی توجیہہ سمجھنے سے قاصر ہے یا جب ایک چھوٹا سا بیج خود بخود ایک درخت بنتا جاتا ہے اور اس کے اندر جو تغیر رونما ہوتا رہتا ہے اس کی توجیہہ اس کی سمجھ میں نہیں آتی حتیٰ کہ وہ اس تقاضے کی حقیقت کو بھی نہیں سمجھ سکتا جو بیج کو درخت بنا رہا ہے زندگی کے اندر خود بخود اکساہٹ کیوں ہے ایک حواس باختہ کر دینے والا مسئلہ ہمیشہ رہا ہے حالانکہ یہ یقینی بات ہے کہ زندگی ضرور ابتدائی طور پر بے جان مادے ہی سے پیدا ہوئی ہوگی ۔یہ درمیانی کڑی جب مل گئی اور اس کی خاطر خواہ توجیہہ بھی مل گئی تو یہ انکشاف شاید صحیح علم کا پہلا طلوع ہوگا جبکہ انسان کی بنائی ہوئی جیومیٹری اور ریاضی اور کیمیا سب کے سب ماضی کے کھلونے بن جائیں گے اور انسان کو فطرت کی زبان میں اور فطرت کی اکائیوں میں سمجھ آنے لگے گی ۔یہ ایک انتہائی طور پر حیرت انگیز بات ہے کہ انسان جو بذات خود زندگی کی اکساہٹ بدرجہ کمال رکھتا ہے اس اکساہٹ کی توجیہہ بھی نہیں کر سکتا بلکہ اس کو محسوس بھی نہیں کر سکتا جو اس کے جسم کے بالوں کو خود بخود بڑھاتی رہتی ہے جو اس کے اپنے جسم کے زخموں کو خود بخود مندمل کر دیتی ہے، جو اس کے معدے میں خوراک کو خود بخود ہضم کر دیتی ہے، جو اس کے اپنے کانوں سے سننے، آنکھوں سے دیکھنے اور ذہن سے سوچنے کا کام لیتی ہے ۔اگر بے جان مادے کے ارتقا سے یہ خاصیتیں کسی جادو کے زور سے پیدا ہوتی ہیں تو یقیناً وہ طلسم ہمیں ان کیمیائی فارمولوں سے نہیں مل سکتا جو ہم نے معلوم کر کے عمدہ طور پر ترتیب دے رکھے ہیں بلکہ وہ ہمیں اس روشنی کے عمل سے روز بروز زیادہ واقفیت حاصل کرنے سے ملے گا جو ایک بجھی ہوئی موم بتی کو یکدم جلا دیتی ہے اور اس ذرا سی چھوت سے بتی کو جلائے رکھتی ہے ۔یہ ''نور'' ہمیں انسانی ذہن اور شعور کی فطرت کے طریقہ عمل کے متعلق انتہائی طور پر جانکا لا دروں رسی کے بعد ہی

مل سکے گا اور وہ بھی اس وقت کہ زندگی کے عظیم الشان راز میں مسلسل غور وفکر کے بعد کوئی نیا طریقہ تلاش مل جائے جو موجود طریقوں سے مختلف ہو۔ زندگی کا مسئلہ دراصل فطرت کے اس راز کو دریافت کرنے کا مسئلہ ہے جو انڈے کو آنے والے چوزے کی اکائی، انسانی نطفے کو آنے والے بچہ کی اکائی اور بیج کو آنے والے درخت کی اکائی بنا دیتا ہے،، انسان اپنی جگہ اس بے بسی اور کوتاہ علمی کے باوجود ہر دور میں اپنی عقل کو کامل سمجھنے کی غلط فہمی میں مبتلا رہا ہے جس طرح ہم اپنے بچوں کو دیکھتے ہیں کہ جو ہر عمر میں اپنی رائے کو ہی درست جانتے ہیں خواہ وہ سو فیصد غلط ہی کیوں نہ ہوں۔ بلکہ بسا اوقات تو مضر اور مہلک چیزوں کے حصول کے لئے ضد کرتے ہیں۔ انسانی جسم کے اندر کارفرما روح کی حقیقت جاننا تو بہت دور کی بات ہے انسان تو یہ جاننے سے بھی قاصر ہے کہ رحم مادر کے اندر اس کی ظاہری شکل و ہیئت اور جسم کے اندرونی اعضا کو بہترین صورت دینے میں کون کون سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ ایک ہی والدین کی اولاد میں شکل و شبہات، عادات وخصلات اور ذہنی رجحانات کا فرق کیوں ہوتا ہے؟ انسان ہنستا روتا اور سوتا کیوں ہے؟ انسان کے ظاہری اعضا کو دماغ کنٹرول کرتا ہے لیکن دماغ پر کون سی چیز حکمرانی کرتی ہے اور وہ مادی ہے یا غیر مادی؟ خیال ارادہ احسان، جذبات، حزن ،مسرت اور محبت کی کیا حقیقت ہے؟ انسان سوتے میں خواب کیوں دیکھتا ہے اور ان میں آئندہ پیش آنے والے واقعات کس طرح نظر آ جاتے ہیں؟ جو لوگ مستقبل کے بارے میں پیش گوئیاں کرتے ہیں ان کے علوم کی بنیاد کیا ہے؟ کسی واقعہ یا حادثہ کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی اس کے بارے میں علم ہو جانا کیونکر ممکن ہے؟ الغرض انسانی جسم و جان کے اندر پوشیدہ اور اردگرد کی کائنات میں پھیلی ہوئی ان گنت گتھیاں ایسی ہیں جو انسان ابھی تک سلجھا نہیں سکا۔ بایں ہمہ اگر پھر بھی انسان یہ سمجھے کہ میں اپنے برے بھلے کو خوب جانتا اور اپنے لئے خود ہی بہترین آئین حیات تجویز کر سکتا ہوں تو یہ اس کی کج بحثی کج فہمی اور عاقبت نا اندیشی ہے۔ انسان کو کامیاب اور پر امن زندگی گزارنے کے لئے جس راہنمائی اور روشنی کی ضرورت ہے وہ انسانوں اور تمام جہانوں کا خالق اور رب ہی عطا کر سکتا

ہے۔انسانی تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ دنیا کی جن اقوام نے فیضان سماوی سے منہ موڑ کر عقل بے مایہ کی رہنمائی میں اپنے لئے آئین سازی کی انہوں نے قدم قدم پر ٹھوکریں کھائی ہیں۔کیونکہ انسانی عقل کی اپنی حدود وقیود ہیں۔جو عقل مادی کائنات کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکی وہ مادے سے ماوراانسانی حقیقت کی راہنمائی اورامامت کے فرائض کیونکر انجام دے سکتی ہے۔انسان کی محدودسوچ اورناقص عقل کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

وعسی ان تکرھوا اشیاء وھوخیرلکم وعسی ان تحبوشیاء وھو شرلکم واللہ یعلم وانتم لاتعلمون (البقرہ ۔۔216)

عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگےاور وہ تمہارے حق میں بھلی ہواور عجب نہیں ایک چیز تم کو بھلی لگےاور وہ تمہارے لئے مضر ہو۔اور اللہ بہتر جانتا ہےاور تم نہیں جانتے۔

عقل کے پیش کردہ نظریات کی ناپائیداری کی کیفیت یہ ہے کہ ہر دور کا انسان اپنے آباؤاجداد کے معاشی،معاشرتی اور سائنسی خیالات کو دوراز کارفرسودہ قرار دے کر رد کرتا رہا ہے۔ گویا کہ انسانی عقل اپنے ہی قائم کردہ گزشتہ نظریات کو غلط ثابت کر کے اپنی ناپختگی اور کم مائیگی کا ثبوت فراہم کرتی رہتی ہےاور اپنی متلون سوچ کی وجہ سے ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتی چلی جاتی ہے۔ عقل ہی کو سب کچھ سمجھنے والے یورپی عمائدین اور سائنسی عقائد کے اماموں مثلاً ڈارون ، فرائڈ اور مارکس وغیرہ نے انسانی نفس کی گھٹیا اور حیوانی جبلتوں کے علم کو ہی علم کل سمجھ کر انسان کو حیوان محض اور سفلی خواہشات ،جنسیت اور ہوا و ہوس کا مستقل غلام قرار دیا ہے۔اس تباہ کن سوچ نے مذہب سے آزاد مادہ پرستوں کو کام و دہن اور جنسی لذتوں کا والہ وشیدا بنا دیااور وہ مذہب کی پاکیزہ اور اعلیٰ قدروں سے دستبردار ہو کر حیوانیت کی سطح پر گر گیا۔تہذیب وتمدن کے قائم کردہ قدیم ادارے ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے۔

شادی بیاہ کو ایک فضول رسم قرار دے کر خاندانی زندگی کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔حدود وقیود سے عاری اور بے لگام آزادی کی لہر نے حیوانوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا مردوں کی مردوں سے اور

عورتوں کی عورتوں سے شادی کو جائز قرار دے دیا۔بے روک ٹوک جنسی تعلقات ،اسقاط حمل، ناجائز بچوں ،منشیات کے کھلے استعمال اور ہر قسم کے عقیدے کی آزادی، یہاں تک کہ شیطان کی پوجا کرنے والوں کے چرچ کو بھی قانونی حیثیت دے دی گئی۔بے راہ روی کے اس طوفان کے ہولناک نتائج سامنے آنا شروع ہو گئے ہیں پھر بھی مادہ پرست انسان ترقی پسندی کے شوق میں ذلت اور گناہ کی دلدل میں دھنستا چلا جا رہا ہے۔مغربی تہذیب نے اگر وحی الٰہی ،آخرت پر ایمان اور روحانیت کا دامن نہ تھاما تو اس کا انجام یقینی تباہی ہو گا۔صرف عقل کے بل بوتے پر آگے بڑھنے والے موجودہ دور کے انسان کی حالت زار بیان کرتے ہوئے ضرب کلیم میں علامہ اقبال نے فرمایا۔

عشق ناپید و خرد دے گزدش صورت مار
عقل کو تابع فرمان نظر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلہ نفع وضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاؤں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

قندِ مکرر

خواجہؒ کے خطوط

(تدوین وترتیب خالد مسعود)

(1)۔حلقہ فنڈ سے قرض

(بنام محمد مرتضٰی صاحب 61-8-11)

''حلقہ فنڈ سے قرض دینا تو ہم نے بند کر دیا ہے۔لوگ لے کر واپس نہیں دیتے اور حلقہ کی ترقی پر جو پیسہ لگنا چاہئے تھا وہ نہ ہو سکا جس کا برا اثر پڑا ہے۔ہم کو حلقہ کی تبلیغ واشاعت کے لئے پیسہ چاہئے''

(2)۔قرض اور مدد

(سرکلر بنام حلقہ توحیدیہ 62-11-8)

''میں نے سنا ہے کہ حلقہ کے پیر بھائی آپس میں قرض دیتے اور لیتے رہتے ہیں اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ قرض لینے والا قرض ادا نہیں کر سکتا۔اس طرح آپس میں کدورت پیدا ہوتی ہے۔اس لئے میں سب کو ہدایت کرتا ہوں کہ آئندہ کوئی نہ کسی پیر بھائی سے قرض لے نہ دے۔اگر کوئی قرض دے تو اپنی ذمہ داری پر یہ سمجھ کر دے کہ یہ روپیہ اب واپس نہیں ملے گا۔مدد کے خیال سے دے سکتے ہیں۔''

(3)۔غیبت غیبت ہی ہے

(بنام محمد مرتضٰی صاحب 63-11-11)

''جو لوگ ادھر کی ادھر اور ادھر کی ادھر لگاتے ہیں وہ دراصل برائی کے خیال سے نہیں کرتے بلکہ بھلائی کے خیال سے کرتے ہیں کہ دوسرے کی اصلاح ہو جائے۔تاہم غیبت غیبت ہی ہے ان کی اس خوش فہمی سے حلقہ کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔یہ سادہ لوگ ہیں ان کو سمجھا دینا چاہئے''

(4)۔سینٹر کی اہمیت

(بنام محمد مرتضیٰ صاحب 5-7-70)

''یہ دعا کریں کہ اب اللہ تعالیٰ روپیہ دے کہ آستانہ بن جائے۔بغیر کسی سینٹر کے کوئی تحریک کامیاب نہیں ہوسکتی،آستانہ ہو،وہاں مہمان خانہ ہو اور لنگر ہو اور ایک اخبار وہاں سے نکلے۔بغیر اس کے ہم توحید کی تبلیغ نہیں کرسکتے''

(5) بھائیوں سے رابطہ

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 12-7-61)

''آپ نے حلقہ والوں کے نام لکھے ہیں صدیق، ملک،حدید،بھٹی،مظہر۔ان کے علاوہ دو آدمی اور بھی ہیں جن کا نام آپ نے نہیں لکھا۔شاید آپ کو معلوم بھی نہ ہو۔ایک تو ارشاد اللہ صاحب ہیں جو سر جنٹ چوہدری صاحب کے بھائی ہیں۔دوسرے صاحب محمد شریف ہیں۔میں دونوں کو لکھ رہا ہوں کہ آپ سے ملیں اور حلقہ میں شریک ہوا کریں۔وہ تو شاید آپ کا گھر نہ جانتے ہوں آپ خود ان سے مل لیں،پتے یہ ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ایک تیسرے صاحب زعفران ہیں۔

(6)۔اہل لوگوں کی شرکت

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 22-9-68)

''اللہ کا شکر ہے حلقہ اچھی طرح سیٹ ہوگیا ہے اور کام ہو رہا ہے۔تبلیغ میں ابھی کچھ کمی ہے۔اہل لوگوں کو زیادہ سے زیادہ مقدار میں شریک کرنے کی کوشش کرنی چاہئے''

بابا جی کے ساتھ ساتھ

(محمد یونس ہاشمی)

قارئین کرام بابا جی محمد صدیق ڈار صاحب نے 10 نومبر 2005 سے ملتان ،لسوڑی، فتح پور، چوک اعظم ،اور لاہور کے دورے پر روانہ ہوئے ۔ان ملاقاتوں کے دوران بابا جی نے جو نشستیں کیں اُن کو ہم نے تحریر کرنے کی کوشش کی ہے تا کہ ان باتوں کو سب بھائیوں تک پہنچایا جائے ماہانہ مجلّہ ''فلاح آدمیت'' میں یہ''سلسلہ بابا جی کے ساتھ ساتھ'' کے عنوان سے شروع کیا گیا ہے ۔مورخہ 10 نومبر 2005ء صبح 9 بجے میں مرکز تعمیر ملت پہنچا اور بابا جی کے ہمراہ لاہور کے لیے روانہ ہوئے ۔لاہور کے بس اسٹینڈ پر شیخ اسلم صاحب نے ہمیں ریسیو کیا اور پھر ہم مولوی یعقوب صاحب کے گھر نشاط کالونی پہنچ گئے ۔لاہور میں بابا جی کا قیام ایک رات کا تھا اور صبح 11 نومبر کو مولوی یعقوب صاحب نے بھی بابا جی کے ساتھ ملتان جانا تھا ۔شیخ اسلم صاحب ہمیں وہاں رُخصت کر کے چلے گئے، دوپہر کے کھانے کے بعد بابا جی نے آرام کیا ۔عصر کی نماز کے بعد لاہور حلقہ کے بھائی مولوی یعقوب صاحب کے گھر پہنچ گئے، حلقہ ذکر ہوا پھر اُس کے بعد بات چیت کا سلسلہ جاری ہوا، بابا جی نے ''وقت'' کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ سورۃ عصر میں اللہ تعالٰی نے ''وقت'' کی قسم کھائی ہے ،کہ انسان خسارے میں ہے ۔یعنی ''Time'' ''وقت'' بہت ہی اہم چیز ہے کہ جس کی اللہ نے قسم کھائی ۔انسان اس دنیا میں مختصر وقت ہی لے کر آیا ہے اور ''وقت'' کا صحیح استعمال ہی انسانی زندگی کی کامیابی کا دارومدار ہے ۔ فرمایا کہ پیر کرم شاہؒ نے اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں حضرت عمرؓ کا ایک قول نقل کیا ہے ۔حضرت عمرؓ نے فرمایا میں پسند نہیں کرتا کہ مومن ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہے نہ تو دنیا کا کام کر رہا ہو اور نہ اللہ کی یاد میں لگا ہو ۔پیر کرم شاہؒ لکھتے ہیں کہ یہ قول ہر مسلمان کو لکھ کر اپنے سامنے لگانا چاہیے ۔

بابا جی نے فرمایا ایک بزرگ بازار سے گزر رہے تھے ایک برف بیچنے والا اونچی آواز میں صدا لگا رہا تھا اے لوگو کوئی ہے جو میرے سرمایہ کو ضائع ہونے سے بچائے یعنی برف پگھل کر ضائع ہو رہی تھی وہ بزرگ وہاں رک گئے اور کہا سورۃ عصر کی تفسیر اس سے بہتر میں نے کہیں نہیں دیکھی ۔بابا جی محمد صدیق ڈار صاحب نے فرمایا انصاری صاحبؒ کے پاس ڈرامہ رائٹر اشفاق احمد

بھی آتے رہتے تھے۔ایک دن اُنھوں نے عبدالحکیم انصاریؒ سے پوچھا کہ باباجی "محبوب" کی کیا تعریف ہے؟ انصاری صاحبؒ نے فرمایا "جس کی ہر ادا اچھی لگے وہی محبوب ہے" فرمایا حضورؐ کی ہر سنت اللہ تعالیٰ کو پسند ہے یعنی اپنے محبوب کی ہر ادا اتنی اچھی لگی کہ تا وقت قیامت جاری و ساری رہے گی چاہے کوئی لاکھ روکنے کی کوشش کرتے فرمایا حضرت ہاجرہؓ کا صفا و مروہ میں دوڑنا اللہ کو اتنا پسند آیا کہ حج کے دوران ہر حاجی کو یہ سنت ہاجرہ ادا کرنا لازم کر دیا۔تو حضورؐ جو کہ اللہ کے محبوب ہیں لہٰذا اُن کی ہر سنت بھی جاری رہے گی۔اس لئے امت میں جو فروعی اختلافات ہیں یہ یونہی چلتے رہیں گے کیونکہ یہ سب حضورؐ کے مختلف انداز تھے۔صبح 11 نومبر کو ہم بذریعہ ڈائیوو بس سروس ملتان کے لئے روانہ ہوئے شیخ اسلم صاحب مولوی یعقوب صاحب کے گھر سے ہمیں بس اسٹینڈ تک چھوڑ کر گئے اور ہم 3 بجے ملتان پہنچ گئے وہاں پر فیصل خان صاحب پہلے سے ہی اپنی گاڑی لے کر موجود تھے اور ہمیں امین شاہ صاحب کے گھر تک چھوڑ گئے۔دوپہر کے کھانے کے بعد باباجی نے آرام کیا۔مزے کی بات یہ تھی کہ کھانا خود امین شاہ صاحب نے اپنے ہاتھوں سے پکایا تھا۔جب لاہور میں مولوی صاحب کے گھر کھانا کھا رہے تھے تو باباجی نے مجھے فرمایا یونس جہاں بھی آپ جائیں گے سب سے پہلے آپکو مرغ اور بٹیرے گارڈ آف آنر پیش کریں گے اور ہر حلقہ میں آپ کو 21 مرغ کی سلامی پیش کی جائے گی۔ایسا ہی ہوا امین صاحب نے دوپہر کو مرغ اور بٹیروں کی سلامی پیش کی۔نماز مغرب کے بعد حلقہ ذکر ہوا کافی بھائی شامل ہوئے بات چیت کرتے ہوئے موضوع گفتگو محبت تھا۔باباجی نے فرمایا "اللہ" کا مطلب ہے جس سے محبت کرتے ہیں، من موہنا، سب کا محبوب۔فرمایا مومن کی شدید محبت صرف اللہ سے ہوتی ہے (القرآن) ماں ہمیشہ اولاد سے زیادہ محبت کرتی ہے بہ نسبت اولاد کے۔اللہ تعالیٰ ستر ماؤں سے بڑھ کر ہم سے پیار کرتا ہے۔اور اللہ والوں کے پاس بیٹھنے سے ہی اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے۔

میاں ظفیر احمد جو کہ کالم نگار ہے اُن کے اُستاد مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ جو سلسلہ نقشبندیہ سے بیعت تھے، دیوبند سے دو طالب علم فارغ ہوئے تو اُن کے اُستاد نے طالب علموں کو کہا کہ واپس جاتے ہوئے راستہ میں مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ سے مل کر جانا۔دونوں طالب علم مولانا صاحب کے پاس چلے گئے۔جب مولانا کی حویلی پر گئے تو سامنے چارپائیاں لگی

ہوئی تھیں ۔مولانا دروازے پر اُن طالب علموں سے ملے ۔طالب علموں نے اُن سے کہا کہ ہم دیوبند سے آئے ہیں اور مولانا فضل الرحمٰن سے ملنا ہے آپؒ نے اُنہیں کہا وہاں بیٹھ جاؤ ملاقات ہوجائے گی وہ دونوں بیٹھ گئے ۔اتنی دیر میں ایک شخص مولانا صاحب کے پاس لڈو لے کرآیا اور کہا مولانا صاحب فاتحہ پڑھ دیں آپؒ نے اُس شخص سے کہا کہ سامنے دو نئے مولوی آئے ہیں اُن سے فاتحہ پڑھا لو۔جب اُن سے فاتحہ پڑھنے کو کہا تو دونوں نئے مولویوں نے فاتحہ پڑھنے سے انکار کردیا اور فاتحہ پڑھنے کے خلاف فتوے دینا شروع کردیئے مولانا فضل الرحمٰنؒ نے کہا کہ فاتحہ پڑھ دو کیا سورہ الحمد پڑھنا منع ہے دونوں نے کہا نہیں فرمایا کیا قُل شریف پڑھنا منع ہے دونوں نے کہا نہیں تو فرمایا پھر پڑھ دو اور پھر اُن دونوں سے دعا بھی کروادی ۔اور اُن کو دو دو لڈو بھی کھلا دیئے ۔ظہر کی نماز کے بعد مولانا فضل الرحمٰن گھر چلے گئے ۔دونوں مولویوں نے لوگوں سے پوچھا مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے ملنا ہےتو لوگوں نے کہا کہ جن صاحب نے امامت کروائی ہے یہی مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی ہیں ۔نمازِ عصر میں دونوں مولانا صاحب کے پیچھے کھڑے ہوگئے اور نماز کے بعد ملاقات ہوئی تو مولانا صاحب نے فرمایا تم دونوں نے دو دو لڈو کھائے ہیں ۔اب ساری عمر دو کام ہی کرو گے۔

ایک تو مدرسوں میں طالب علموں کو پڑھاؤ گے دوسرا ساری عمر روتے ہی رہو گے یعنی اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا نام آئے گا محبت سے روتے رہو گے پھر ایسا ہی ہوا یعنی اللہ والوں کی نگاہ سے ہی محبت کا بیج پھوٹتا ہے۔

محبت سے ہی درجات بلند ہوتے ہیں ۔محبت سے کی ہوئی عبادات ہی مقبول الٰہی ہوتی ہیں

ذکر کے بارے میں بات چیت کرتے ہوئے فرمایا حدیث قدسی ہے کہ ذکر کرنے والا اور نہ کرنے والا ایسا ہے جیسے زندہ اور مردہ جو ذکر نہیں کرتا اُس کی مثال ایسے ہے جیسے ڈیڈ فون جس کی تار کٹ جائے ۔جس کو اللہ یاد کرتا ہے اُس کے قلب پر رحمتیں اور سکینت نازل ہوتی ہے ۔حدیث مبارکہ ہے کہ جو میرا ذکر کرتا ہے میں اُس کا ہم نشین ہوتا ہوں ۔نیک صحبت ایسی ہی ہوتی ہے جیسے عطار کی دوکان میں بیٹھنے سے بھی خوشبو آتی ہے ۔اور بری صحبت کی مثال ایسے جیسے لوہار کی دوکان کے پاس بیٹھنے سے یا کپڑے جلیں گے یا دھواں آنکھوں میں پڑے گا ۔فرمایا سائنس دانوں نے

یہ دریافت کیا ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو دماغ میں ایک خاص (سپاٹ) جگہ ہے جو حرکت شروع کر دیتا ہے۔اللہ کے ذکر والے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ سورہ واقعہ کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے تین گروہوں کی بات کی ہے دائیں والے بائیں والے اور تیسرا گروہ سابقون و سابقون یعنی دائیں والے جنت والے اور بائیں والے دوزخ والے ہیں اور آگے بڑھنے والوں کا کہنا ہی کیا وہ تو نیکیوں میں آگے بڑھنے والے اللہ کے محبوب لوگ ہیں جن کا ماحاصل صرف اللہ کی ذات ہی ہے ۔فرمایا حضورﷺ اتنا لمبا قیام فرماتے کہ آپﷺ کے پاؤں مبارک پر ورم آجاتے اور سجدہ کی حالت ایسی ہوتی کہ حضرت عائشہؓ فرماتی کہ مجھے گمان گزرتا کہ کہیں آپ کا وصال ہو گیا ہے اور پھر آپﷺ کے پاؤں پر ہاتھ لگا کر تسلی کرتیں

نہ آپ سوئے نہ سون دے وے
تُو کُتا رب جاگے

فرمایا۔

انصاری صاحبؒ نے خط کے جواب میں نو بیعت شدہ مرید کو لکھا کہ اتنی جلدی نہ کرو ساری عمر ذکر کرا ور اخلاق کو بہتر کرنا ہے۔آخری وقت میں بھی اللہ کا دیدار ہو جائے تو خدا کی قسم ایسے آدمی کا حشر اللہ کی گود کے علاوہ کہیں نہ ہوگا۔فرمایا سورہ اقرا میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں" اے اہل ایمان اللہ کا ذکر کثرت سے کرو''۔حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ تمہیں مجنوں سمجھنے لگیں۔

ایک دفعہ انصاری صاحبؒ کے پاس ایک بھائی آئے اور کہا کہ

مرشد سائیں میں ذکر کرناتے لوگ ہس دے نے بابا جی نے فرمایا ہس سن تے دندکس سن۔ حالت جنگ میں بھی اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔اللہ فرماتا ہے کہ جو میرا ذکر محفل میں کرتا ہے میں فرشتوں کی محفل میں اُس کا ذکر کرتا ہوں۔جو تنہائی میں میرا ذکر کرتا ہے میں تنہائی میں اُس کا ذکر کرتا ہوں سبحان اللہ،،

نہ تو زمین کے لیے ہے نہ آسمان کے لیے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لیے

انصاری صاحبؒ نے فرمایا چلتے پھرتے اللہ کا ذکر کرو تین چار ماہ تک ذکر کریں پھر بیعت کریں۔ بابا جی ڈار صاحب نے فرمایا "اللہ سے پیار ہوگا تو اُس کے ذکر سے خود ہی پیار ہو جائے گا"۔ حدیثِ رسول ﷺ بیان فرماتے ہوئے فرمایا روزِ حساب ایک شخص کو فرشتے پیش کریں گے اُس کے نامہ اعمال میں کوئی نیکی نہ ہوگی فرشتے اُس کو دوزخ کی طرف لے جا رہے ہونگے اللہ تعالیٰ فرمائے گا ٹھہرو۔ فرشتے اللہ سے عرض کریں گے اس کے نامہ اعمال میں کوئی نیکی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اِس نے ایک دفعہ "دل" سے اللہ کہا تھا جو تمہارے پاس درج نہیں ہے اِس لئے اِس کو جنت میں لے جاؤ۔

دورانِ گفتگو حلقہ کے بھائیوں کو تلقین کی کہ محبت کے معاملات میں حدود کا خیال رکھیں۔ ہر امیر غریب بھائی کا دل چاہتا ہے کہ بابا جی اُس کے گھر تشریف لائیں اور حلقہ ذکر کی محفل ہو تو ضروری نہیں کہ کھانے پر اخراجات کیئے جائیں۔

کھانا وغیرہ پر خرچہ نہ کریں بلکہ اس پیسہ سے اللہ کی خوشنودی والے اور کام کریں۔ نماز میں خیالات آنے کے بارے میں ایک بھائی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا حدیث مبارکہ ہے کہ نماز نہیں ہوتی جب تک دِل حاضر نہ ہو۔ پاس انفاس دل سے کریں دوکان پر بیٹھے ہوئے، دفتر میں کام کرتے ہوئے ذکر کرتے رہیں تو اُس کی وجہ سے نماز میں بھی خیالات نہیں آئیں گے۔ فرمایا ایک شخص نے اپنے پیر سے جن پکڑنے کا طریقہ سیکھا اور ایک جن قابو کر لیا۔ جن جب حاضر ہوا تو اُس نے کہا مجھے کوئی کام بتاؤ اُس نے کہا فلاں چیز لاؤ فلاں کام کرو تو جن فوراً وہ کام کر دیتا۔ جن نے کہا مجھے کام بتاتے جاؤ ورنہ میں تمہیں کھا جاؤں گا۔ مرید اپنے پیر کے پاس گیا اور اُس کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا مرشد نے مرید کو مشورہ دیا کہ جن کو بولو ایک لمبا کھمبہ لاؤں اور اُس کو کھڑا کر کے اُس کے اوپر چڑھتے جاؤں اور نیچے آؤ جن اِس کام کو کرتا رہا لآخر جن تنگ آ کر بھاگ گیا۔ اسی طرح خیال بھی ایک جن ہے اُس نے بھی فارغ نہیں بیٹھنا اس لئے خیال کو اللہ کی طرف لگائیں رکھیں۔ جس طرح جن کو ناور کی مشق کروائی اسی طرح اللہ کے ذکر کا غلبہ کر دو تو نماز میں بھی اللہ سبحان تعالیٰ کا خیال ہی چھایا رہے گا اور دیگر تمام دنیوی خیالات بھاگ جائیں گے۔ وارث شاہؒ نے فرمایا۔

نماز فرض ایں بادشاہ اُوتے
اے فرض نہیں کمی کمیسن اُوتے

کہ نماز بادشاہ پر فرض ہے اِنسان کے جسم کا بادشاہ دماغ ہے اور باقی سب اعضاء ہاتھ پیر غلام ہیں حکم بادشاہ یعنی دماغ جو حکیم جاری کرتا ہے وہی ہمارے اعضاء مانتے ہیں اس لیے نماز کی صحیح ادائیگی کا دارومدار دماغ پر ہے۔

فرمایا کہ قرآن میں ہے کہ نماز کے نزدیک مت جاؤ جب تم نشہ کی حالت میں ہو۔اللہ کا پتہ ہی نہ ہو اور ایسے ہی بے ہوشی کی حالت میں نماز پڑھ لی جائے

جو دم غافل سو دم کافر سانوا یہوں مرشد فرمایا ہو

(حضرت سلطان باہو)

فرمایا کہ تکبیر تحریمہ کا مطلب حرام ہو جانا یعنی اللہ اکبر کہنے کے بعد ہر حرکت اور سوچ حرام ہو جاتی ہے بس اللہ اور آپ آمنے سامنے ہیں۔دل سے سجدہ میں گر جائیں گے تو اُٹھنے کو دل نہیں کر یگا بقول شاعر

یو ں ہی بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے

نماز میں جب دائیں بائیں سلام پھیرتے ہیں تو اُس کی حقیقت ہی یہ ہے کہ ہم کچھ دیر کے لیے اس دنیا سے کہیں گئے ہوئے تھے اور واپس آ کر دائیں بائیں سلام کرتے ہیں۔علماء بتاتے ہیں کہ خیالات کا آنا حرام نہیں لانا حرام ہے۔راعشہ ایک بیماری ہے جس میں اعضاء خود بخود ہل جاتے ہیں۔اُس بیماری کا حوالہ دیا کہ اگر ہمارا ذہن کنٹرول میں نہیں رہتا تو بیمار ہے۔جب اللہ اکبر کہا تو پھر نماز میں خیال نہیں آنا چاہے۔یہ روحانی پہلو ہے۔یعنی اللہ کی ذات سب سے بڑی ہے اور باقی کچھ نہیں۔

یا فریدا میں دوزخ سڑ ساں جے میں یار دلوں مکھ موڑاں

دوران گفتگو باباجی ڈار صاحب نے اپنے طالب ہونے کا واقعہ بتایا کہ حلقہ تو حیدیہ کے ایک بھائی نے اُن کو ہزار دفعہ ذکر نفی اثبات کرنے اور ہزار دفعہ درود شریف پڑھنے کو بتایا لہذا میں نے اُس پر عمل شروع کر دیا۔جب میں باباجی انصاری صاحب سے ملاقات کے لئے گیا تو اُس بھائی

نے مجھے کہا کہ انصاری صاحبؒ کو نہ بتانا کہ ہزار دفعہ ذکر کرتا ہوں اور ہزار دفعہ درود شریف پڑھتا ہوں ورنہ میری ٹھکائی ہو جائے گی۔ جب انصاری صاحبؒ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بہت پیار کیا اور ذکر کا طریقہ بتایا کہ ذکر کرتے ہوئے ضرب زور سے لگاؤ اور پہلے نفی کے وقت سکرین کو بلینک کرنا ہے۔ اور محسوس کرنا ہے کہ پوری کائنات میں اللہ کا نور پھیل گیا ہے۔ بابا جی نے فرمایا کہ میں جب ذکر کرتا تو دل میں خیال کرتا کہ بابا جی انصاری صاحب میرے سامنے ہیں اور وہ ذکر کر رہے ہیں۔ بابا جی انصاری صاحب کے انتقال کے بعد کسی بھائی نے مجھے (یعنی ڈار صاحب) کو بتایا کہ انصاری صاحب نے اسے بتایا کہ جب ڈار ذکر کرتا ہے تو مجھے سامنے بٹھاتا ہے اور انصاری صاحب نے اس بھائی کو بتایا کہ ڈار اس انداز سے ذکر کرتا ہے۔ فرمایا اسی طرح ''اللہ بھی آپ کے پاس آپ کا ذکر سامنے بیٹھ کر سنتا ہے'' بتایا جب میں اکیلے ذکر کرتا ہوں تو نفی کرتے وقت بعض اوقات کافی دیر نفی کی کیفیت میں گزر جاتی۔ اسی دوران امین شاہ صاحب نے حلقہ ذکر میں ذکر کرنے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ خادم حلقہ کی آواز بلند ہونی چاہیے جیسے فوجی پریڈ میں سپہ سالار یا کاشن دینے والے کی آواز بلند ہوتی ہے۔ ذکر شروع کرو تو آہستہ آہستہ شروع کریں اور پھر بعد میں سپیڈ بڑھاتے جاؤ اور پیک پر لے جاؤ۔ قبلہ انصاری صاحب کے حوالہ سے فرمایا۔ انصاری صاحبؒ نے کہا میں نے ایک نیا طبقہ دیکھا ہے جہاں سب جلالی پیر تھے۔ حضورؐ کی تعلیم میں جلال تو ہے ہی نہیں۔ سب جمال ہی جمال ہے۔ تصوف کی تعلیمات میں سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم ہی سٹینڈرڈ پر پورا اترے گی۔ جبر کی نماز کی بجائے دل کو پیار اور محبت کی نماز کی طرف مائل کرو۔ انصاری صاحب نے فرمایا ''دل کا کوڑا غم ہے فقیر آدمی کا کام نہیں غم میں رہنا'' پہلے دل سے غصہ، غیبت، تکبر، غم کو محبت کے جھاڑو سے صاف کرنا ہے اور پھر نماز ذکر سے سفیدی کرو اور اخلاق حسنہ کے پھولوں سے دل کو سجانا ہے پھر دیکھو گھر والا کیسے گھر میں نہیں آتا''

امین شاہ صاحب نے شعر پیش کیے۔

کڈھ دل وچوں نفس ناکارے نوں
دل عرش ہے یار پیارے دا

گھر آپ آندا گھر والا
جدو گھر نوں سجانا آ جا وے

سوال۔ہندو حبس دم کر لیتے ہیں کیا سانس کے بغیر ان کی موت واقعہ ہو جاتی ہے۔
جواب۔بابا جی نے فرمایا کیونکہ جو عامل ہے وہ اپنی پوری (Energy) طاقت کو دماغ میں محفوظ کر کے لاک (Lock) کر دیتے ہیں۔جیسے اصحاب کہف میں اللہ نے ان کے کان بند کر دیئے۔جب آپ کا جسم Operate (کام) نہ کرے تو سانس کے بغیر زندگی باقی رہ سکتی ہے۔ایک واقعہ بتاتے ہوئے فرمایا۔ایک بزرگ تندور پر روٹیاں لگوانے کے لیے گئے تو تندورچی نے کہا کہ کچھ وقت لگے گا۔بابا نے مراقبہ کرلیا دوران مراقبہ بزرگ حبس دم میں چلا گیا۔ لوگوں نے کافی عرصہ بزرگ کو اسی حالت میں رہنے کے بعد اس کے گرد پتھروں کا ستوپہ بنادیا عرصہ دراز کے بعد ایک بادشاہ کا وہاں سے گزر ہوا تو اس نے ستوپہ کو توڑا تو ایک پتھر اس بزرگ کو لگا تو بزرگ نے کہا "پک گئی روٹیاں" یعنی جس دم کے وقت جو سوچ ہوگی واپسی پر وہی آپ کے ذہن میں ہوگا۔فرمایا یہ سب بے سود ہے وقت بھی ضائع ہوا اور کچھ حاصل بھی نہ ہوا۔
اس طرح ایک اور واقعہ بتایا کہ ایک شخص بادشاہ کے پاس آیا اور کہا میں سوئی کے سوراخ میں اسے نشانہ لے کر سوئی گزار سکتا ہوں۔بادشاہ نے کہا کہ اس کو 50 پچاس اشرفیاں انعام دو اور پچاس جوتے بھی مارو۔اس شخص نے کہا کہ جوتے کیوں مارتے ہو۔بادشاہ نے کہا کہ تم نے ساری عمر اس فضول کام میں گزار دی اس لیے مارتا ہوں۔دوران گفتگو باباجی نے ایک بہت ہی دلچسپ بات بتائی فرمایا۔میرے بھائی لطیف تو حیدی صاحب کے سسرال گاؤں "واہنڈو" میں ایک فاطمہ نامی عورت کا انتقال ہو گیا جنازہ صبح ہونا تھا ساری رات عزیز و اقارب روتے رہے۔ صبح وقت وہ عورت خود ہی اُٹھ گئی۔لوگ بہت حیران ہوئے اور عورت کو کہا کہ ہم تو سمجھے تھے تم مر گئی ہو۔عورت نے کہا میں واقعی ہی مر گئی تھی۔میں نے دیکھا دو شخص آئے اور مجھے اپنے ساتھ لے کر چلے گئے۔بعد میں ایک آواز آئی یہ کس کو لے آئے ہو فرشتوں نے کہا یہی فاطمہ ہے آواز آئی اس کا ابھی وقت نہیں آیا۔فرشتوں نے عورت سے کہا اس رجسٹر پر انگوٹھا لگا دو۔جب عورت کے ہاتھ کو دیکھا تو اس پر سیاہی کا نشان بھی لگا ہوا تھا۔اور تھوڑی دیر بعد گاؤں میں دوسری فاطمہ

نامی عورت کے انتقال کی خبر پھیل گئی ۔بابا جی نے فرمایا لگتا ہے فرشتے بھی غلطی کرتے ہیں۔

12 نومبر 2005ء کی صبح ہم نے لسوڑی جانا تھا فیصل خان اپنی گاڑی لے کر امین شاہ صاحب کے گھر آ گئے ۔ناشتہ کے بعد علامہ اقبال کے متعلق بات کرتے ہوئے فرمایا کہ علامہ اقبال کے استاد میر حسن صاحب تعلیم کی غرض سے اپنے ساتھ لے گئے تعلیم مکمل کرنے کے بعد علامہ اقبال مسجد کی امامت کے لیے گئے ۔مسجد کے امام کے لیے جس طرح کھانا محلّہ کے ہر گھر سے باری باری آتا ہے علامہ صاحب کے لیے بھی اس دن کھانا آیا اور جیسے ہی کھانا وصول کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا بے ہوش ہوگئے پھر تمام عمر امامت مسجد نہ کی ۔میر حسن شاہ صاحب کے نواسے کا نام احسان تھا۔ایک دن علامہ اقبال نے اس کو اٹھایا ہوا تھا اور میر حسن صاحب کے پیچھے آ رہے تھے ۔درمیان میں فاصلہ زیادہ ہوگیا تو میر صاحب نے فرمایا کیا یہ بچہ اٹھانا بھی تمھارے لیے دشواری ہے علامہ اقبال نے برجستہ کہا'' آپ کا احسان بہت بھاری ہے۔''یعنی جو احسانات آپ نے مجھے اچھی تعلیم دے کر کیا دیکھیے اس کا کتنے فی البدی انداز سے جواب دیا۔

لسوڑی تقریباً گیارہ بجے پہنچ گئے وہاں پر ہم سید عاشق حسنین صاحب کے گھر ٹھہرے حلقہ لسوڑی کے بھائی بھی ملاقات کے لیے وہاں آئے ہوئے تھے ۔فیصل خان صاحب ہمیں چھوڑ کر واپس ملتان چلے گئے ۔دوران سفر بات چیت بھی ہوتی رہی ۔مولوی یعقوب صاحب کو اکثر سفر میں نیند آ جاتی تھی ۔ایک مرتبہ بابا جی نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو مولوی یعقوب صاحب سو رہے تھے ۔بابا جی نے کہا مولوی صاحب تو سو رہے ہیں میں نے کہا لگتا ہے جس دم میں چلے گئے ہیں جس وقت مولوی صاحب اٹھے تو بابا جی نے کہا ''روٹیاں پک گئی ہیں''۔بابا جی نے جس دم والے بزرگ کی مثال مولوی یعقوب صاحب کو یاد کروائی بہت محظوظ ہوئے ۔مولوی یعقوب صاحب کو اکثر حلوہ کے متعلق لطائف سنائے جاتے رہے ۔مولوی یعقوب صاحب کی سب سے بڑی کمزوری چائے ہے ۔دوپہر کے کھانے کے بعد بابا جی نے آرام کیا۔مولوی یعقوب صاحب بھی سو گئے ۔میں اپنے دوست رحمت اللہ شاہ کے ساتھ گاؤں کی سیر کے لیے روانہ ہوگیا اور پہلی دفعہ زندگی میں کپاس کے پودوں کو دیکھا۔ان کی زمینوں پر بھی گئے اور رحمت اللہ شاہ صاحب نے اپنے علاقے اور کلچر کے بارے میں بھی بتایا۔اور خاص طور پر بٹیر پکڑنے کا طریقہ بتایا جو کہ کھلے

میدان میں ایک جال کے ذریعے چاندنی رات میں کیا جاتا ہے۔نمازِ عصر کے لیے واپس آئے۔ پھر حلقہ کے بھائی آنا شروع ہوگئے بات چیت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ابولہب کے واقعہ کے متعلق فرمایا کہ ایک غیر مسلم سکالر قرآن کی اس بات سے متاثر ہوکر مسلمان ہوا کہ ابولہب کی زندگی میں ہی وحی اتر گئی تھی کہ وہ آگ میں جلایا جائے گا۔ابولہب کو اس وحی کے متعلق پتہ تھا۔پھر اگر وہ مسلمان ہوجاتا تو نعوذ باللہ قرآنی وعید غلط ہوجاتی۔سکالر نے کہا یہی قرآن کی سچائی کا ثبوت ہے اور یہ کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔بابا جی انصاری صاحب نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ابولہب سے وحی کے ذریعہ ایسے لڑائی کی جیسے عورتیں کرتی ہیں۔یعنی "تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں تو نے میرے محبوب کو ان ہاتھوں سے ستایا"

ایک انگریز سکالر کا واقعہ بتایا کہ دہلی کے نواب کے گھر پر ضیافت تھی اور اس میں یہ سکالر بھی گیا ہوا تھا کھانے میں پلاؤ پکا ہوا تھا اس انگریز نے پلاؤ کو پکاتے ہوئے دیکھا اور کہا یہ امت کھانا اتنی نفاست سے بناتی ہے ان کا مذہب کتنا نفیس ہوگا اور وہ مسلمان ہوگیا۔یہ بات سکالر نے علامہ اقبال کو بتائی تھی۔فرمایا ایک دفعہ ایک ہندو نے انصاری صاحب سے آوا گون یعنی بار بار جنم کے عقیدے بارے میں پوچھا کیا یہ ممکن ہے۔انصاری صاحب نے فرمایا ہاں جی یہ ہوتا ہے۔ہندو نے کہا مسلمان ہوکر آپ ایسی بات کہتے ہیں دوسرے مسلم عالم تو ایسی بات نہیں کہتے۔آپ نے فرمایا ہم مسلمان ایک ہی جنم میں پار جنت میں چلے جاتے ہیں آپ کے مذہب میں چونکہ مکتی نہیں ملتی اس لیے بار بار آنا پڑتا ہے۔بابا جی نے فرمایا کہ جب انصاری صاحب بیمار تھے تو ہر بھائی کوئی نہ کوئی نسخہ ضرور بتاتا تھا انصاری صاحب نے مجھے پوچھا تم کوئی دوائی نہیں بتاتے میں نے کہا جی نہیں۔یعنی ہر کوئی آ کر ڈاکٹر بن جاتا تھا۔قبلہ انصاری صاحبؒ نے اپنی عمر کے بارے میں مجھے بتایا۔میں نے انصاری صاحب کو بتایا کہ بابا جی نیا سال شروع ہوگیا ہے 1977ء آپ نے کہا ۱۹۷۵ء میں نے دوبارہ کہا ۱۹۷۷ء پھر میں نے اُنگلی سے بابا جی انصاری صاحب کے ہاتھ پر ۱۹۷۷ء لکھا۔آپ نے فرمایا مجھے کسی نے کہا ہے تمہاری عمر ۸۳ برس ہوگی۔اور ایسا ہی ہوا۔

مغرب کی نماز کے بعد حلقہ ذکر ہوا کافی بھائی شامل ہوئے رحمت اللہ شاہ صاحب نے سوال کیا کہ روحانیت سے تسخیرِ کائنات کیسے ممکن ہے؟ بابا جی نے فرمایا تفکر بالمشاہدہ، تفکر بالنفس ہے۔

اگر سائنس دان اللہ کی کائنات کو تسخیر کر رہا ہے وہ بھی اللہ کے قرب کی طرف جا رہا ہے جیسے صوفی، سائنس دان کا علم آہستہ آہستہ قدم بقدم چلتا ہے پھر منزل کو پہنچتا ہے ۔جبکہ تصوف فوراً منزل پر پہنچ جاتا ہے ۔جیسے حضرت عمرؓ کا حضرت ساریہ کو خطبۂ جمعہ کے دوران ہدایت کرنا یعنی ساریہ جبل کے پیچھے سے حملہ کے متعلق بتانا۔اور حضرت سلیمانؑ کے صحابی کا پلک جھپکنے میں ملکہ کا تخت لانا۔اس طرح سائنس بھی کوشش کر رہی ہے کہ مادہ کو ٹرانسفر کیا جائے کچھ حد تک وہ اس میں کامیابی حاصل کر رہے ہیں ۔فرشتوں کے بارے میں ہے کہ وہ اپنے آپ کو مادہ میں تبدیل کر لیتے ہیں ۔ایک دفعہ حضورؐ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا وہ پورے آسمان پر پھیلے ہوئے تھے ۔جبکہ کبھی انسانی شکل میں بھی آتے رہے ۔یعنی ایتھر سے سب کچھ بنتا ہے اور ایتھر میں واپس چلا جاتا ہے ۔جب جبرئیل انسانی شکل میں آتا تھا تو واپسی میں جو لباس تھا وہ تو رہنا چاہیے تھا آتے تھے ایک پرانے بھائی ولی محمد صاحب جو وزیر آباد میں رہتے تھے اُن کا ایک دوست جو چھریاں بناتا تھا مدرسہ میں دوران تعلیم اُس کے ساتھ ایک جن بھی پڑھتا رہا۔تعلیم سے فراغت کے بعد جن نے اُس سے کہا کہ اگر کوئی کام ہو تو یاد کر لینا میں آجاؤں گا۔ولی محمد صاحب نے اپنے مستری دوست کو ایک بار کہا کہ اپنے جن دوست سے ایک کام تو کرا دو۔میرا ایک دوست ہندو ہے اُس کا پتہ کرنا ہے۔جن نے بتایا کہ اُس کا دوست ہندوستان میں ہے اور آج کل چوٹ لگنے کی وجہ سے ہسپتال میں داخل ہے دوست کو خط لکھا ہے اور اُس کو لکھا کہ آج کل تم ہسپتال میں داخل ہو۔ہندو دوست بہت حیران ہوا کہ اِس کو کس طرح معلوم ہوا ہے ۔اسی طرح ایک دن جن نے کہا سائیکل پر بیٹھ جاؤ اور مجھے پیچھے سے مضبوطی سے پکڑ لو اور پھر جن ہوا میں اُڑنے لگا سائیکل غائب ہو گئی کسی کو نظر نہ آئی یعنی ایتھر میں منتقل کر کے واپس ایتھر سے واپسی کی ۔سائنس اِس چیز تک نہیں پہنچی آہستہ آہستہ کوشش کر رہی ہے کہ اگر ٹی وی پر تصویر آسکتی ہے تو خوشبو وغیرہ بھی محسوس ہونی چاہیے حضرت ابن عربیؒ کی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک زمانہ آئے گا کہ انسان لوہے کے ٹکڑوں پر بیٹھ کر ہوا میں اُڑے گا ہوا میں موسیقی سُنے گا یہ بات اُنہوں نے آٹھ سو سال پہلے لکھی تھی ۔انسان اس پر بہت فخر کرے گا۔امریکن یہ تحقیق کر رہے ہیں کہ مردہ کو زندہ کیا جائے اور کچھ لوگوں نے اپنے جسم بھی اس ریسرچ کے لئے پیش کر دیئے ہیں ۔اور اُن کی ویڈیو اور آواز وغیرہ ریکارڈ

کر کے اُن کے جسم کو برف کے اندر رکھ دیا گیا ہے کہ شاید یہ ممکن ہو انصاریؒ صاحب نے یہ فرمایا کہ "یہ ممکن ہو جائے گا" انصاریؒ صاحب نے فرمایا کہ ہمارے بزرگ ہوا میں اُڑ سکتے ہیں لیکن اس سے کیا فائدہ اگر ایک پُل بنایا جائے تو مخلوق کے لیے زیادہ فائدہ مند ہوگا۔

بابا جی ڈار صاحب نے فرمایا روحانیت آگے پھیلتی رہتی ہے۔ہر دور کا صوفی وقت کے لحاظ سے تبدیلی کر لیتا ہے اب کے دور کا صوفی اس بارے میں ضرور سوچ رہا ہے اور مراقبہ میں ان باتوں پر غور کرے گا۔سائنس ہمیشہ روحانیت کے پیچھے رہے گی بے شک کسی چیز کے بارے میں نشان دہی کرتی رہے۔حضرت عیسیٰؑ کا کوڑیوں کو بغیر دوائی کے ٹھیک کرنا بھی اس بات کا ثبوت ہے فرمایا ایک اندھی عورت ہر رنگ کو ہاتھ لگا کر اُس کا نام بتا دیتی ہے اُسے ہر رنگ کی حرارت الگ سے محسوس ہوتی ہے۔تعویز اور دم درود میں بھی یہی لاجک (Logic) ہے ان کے پیچھے بھی طاقتیں ہوتی ہیں۔

ایک دفعہ انصاری صاحبؒ سے ائیر فورس کے ایک بھائی اعجاز الدین نے پوچھا کیا انجن کے بغیر جہاز اُڑ سکتا ہے انصاری صاحبؒ نے فرمایا روحانیت میں یہ ممکن ہے بغیر فائر کے بھی جہاز تباہ ہو سکتا ہے۔شاہ رُکن عالمؒ نے دیوار کو دوڑا دیا تھا حضورﷺ نے فرمایا ہر بیماری کا علاج ہے کوشش کرنے سے پتہ چلتا ہے۔سائنس اب خوابوں کو بھی مٹیریل لائز (Materialize) کر رہی ہے۔فرمایا جہاز میزائل وغیرہ انجن کی پاور سے اوپر جاتا ہے اگر پاور کم ہو تو نہیں جاتا۔اسی طرح انسانی روح کی پاور (power) اگر زیادہ ہو تو وہ جسم کے ساتھ ہوا میں اُڑ سکتا ہے۔

اگر ملائکہ اپنے آپ میں تبدیلی لا سکتے ہیں تو انسان جو کہ افضل ہے وہ بھی کر سکتا ہے۔

فرشتوں کو انصاری صاحبؒ نے ایجنسی آف گاڈ (Agency of God) کا نام دیا ہے۔

بات چیت کے دوران مولوی یعقوب صاحب نے انصاری صاحبؒ کے حوالہ سے بتایا کہ بابا جی نے فرمایا ایک جنگ میں قلعہ بہت مضبوط تھا مسلمانوں نے حملہ کیا تو مخالف قوم مذاکرات پر اُتر آئے اور شکست تسلیم کر لی۔ایک شخص اُن کی قوم کا وہاں لیٹا ہوا تھا اور کہتا تھا قلعہ بہت مضبوط تھا اگر ہم سر نڈر نہ کرتے تو کبھی فتح نہ ہوتا۔ایک صحابی نے کہا کیا کہا اور اُنگلی کا اشارہ قلعہ کی طرف کیا تو اُس کی دیوار گر گئی فرمایا ہمیں عمل کر کے جنگ اور دوسرے کام سر انجام دینے کی

ہدایت نہ ہوتی تو اس سے دس گنا مضبوط قلعہ بھی ہوتا تو اُس کا بھی یہی حال ہوتا۔

بابا جی ڈار صاحب کو پتہ چلا کہ انصاری صاحبؒ بیمار ہیں خط لکھا سنا آپؒ بیمار ہیں۔ کہا ہاں اگر کوئی صاحب دل دل سے دعا کرے تو ٹھیک ہو جاؤں گا۔ جب اللہ کسی کی دعا قبول کرنا چاہتا ہے تو وہ دل سے دعا نکلواتا ہے۔

ایک دفعہ میں (بابا جی ڈار صاحب) انصاری صاحبؒ سے ملنے لاہور 92/G ماڈل ٹاؤن گئے دوپہر کا وقت تھا۔ بابا جی اکیلے تھے کرامات کے متعلق بات کرتے ہوئے فرمایا بچپن سے مجھ سے کرامات کا ظہور ہوتا تھا۔ دو ڈھائی سال کی عمر میں بارش میں نہانے گیا لیکن کپڑے خشک ہی رہے فرمایا میرے والد صاحب کو ملازمت نہیں مل رہی تھی میری والدہ مجھے کہتی تھی کہ دعا کیا کرو آپ کے ابو کو کوئی ملازمت مل جائے ایک دن میری امی بیٹھی تھیں میں اُن کی ٹانگوں کے نیچے سے گزرا اور کہا امی ابو کو ملازمت گئی۔ اور اُسی دن ملازمت مل گئی مزید فرمایا ایک دن ایک گھڑ سوار جا رہا تھا میں دوستوں کے ساتھ کھڑا تھا میں نے کہا اس کو گھوڑے سے گرا دوں اور میرے کہتے ہی گھوڑے نے گھڑ سوار کو گرا دیا کبھی بجلی بند کر دیتا اور کبھی ہوا چلا دیتا۔ انصاری صاحبؒ نے مزید فرمایا میں نے دو طبقات کی سیر کی ہے وہ راجہ علی اکبر (بابا جی کے مرید تھے) ان کی بہن مجذوب تھی کبھی وہ غائب ہو جاتی اور پھر کچھ عرصہ بعد واپس آ جاتی کبھی وہ شکل تبدیل کر لیتی تھی ایک دفعہ غائب ہو جاتی پھر واپس نہ آتی۔ لوگ کہتے تھے راجہ علی اکبر کے پیر کے جن اُس کو اُٹھا کر لے گئے ہیں بابا جی نے فرمایا میں کافی دیر اُس کو ڈھونڈتا رہا لیکن وہ مجھے نہ ملی۔ اور جب اللہ نے مجھے دو طبقات کی سیر کروائی تو ایک طبقہ میں دیکھا وہاں ڈیوٹی والے بزرگوں کی ٹریننگ کی جاتی تھی وہاں راجہ صاحب کی بہن بھی تھی میں اُسے وہاں سے لا سکتا تھا مگر وہ دنیا میں زندہ نہ رہتی۔ دوسرا طبقہ دیکھا وہاں سب جلالی پیر بزرگ تھے اُن کی ٹریننگ کی جا رہی تھی اُن کا غصہ ختم کیا جا رہا تھا۔ وہاں بہت مشہور بزرگ موجود تھے۔ لسوڑی میں دوسرے دن حلقہ ذکر عاشق حسنین صاحب کے چھوٹے بھائی ولایت شاہ صاحب کے گھر ہوا۔ دن بھر بابا جی سے حلقہ کے بھائی ملاقات کے لیے آتے رہے۔ 13 نومبر کی صبح ہم نے چوک اعظم (فتح پور) جانا تھا۔ فیصل خان صاحب ملتان سے لینے کے لئے پہنچ گئے۔ تقریباً گیارہ بجے لسوڑی سے روانہ ہوئے اور اس خوبصورت گاؤں اور محبت کرنے والوں لوگوں سے رخصت ہو گئے۔ (جاری ہے)

وصف الکبر

نوٹ! مصنف نے اپنی یہ تصنیف سوال و جواب کے انداز میں لکھی ہے یعنی خود ہی سوال کیا ہے خود ہی جواب دیا ہے۔

مقتبس از کتاب الرعایۃ لحقوق اللہ

(پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ)

میں نے پوچھا کہ کبر کیا چیز ہے اور کیسے پیدا ہوتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ کبر ایک بہت بڑی آفت ہے جس سے بہت سی مصیبتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں، اور آدمی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سرعت عقوبت وغضب کا مستوجب ہو جاتا ہے، کیونکہ کبر کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور یہ اس کے سوا دوسرے کے لیے سزاوار نہیں ہے، بوجہ اینکہ ہر شخص اُسی کا بندہ اور غلام ہے، اور وہ ہر ایک کا مالک اور معبود ہے اور ہر شئی پر قادر ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کبر بہت بڑا گناہ ہے۔ پس جب بندہ کوئی ایسا کام کرتا ہے جو اللہ عزوجل کے سوا اور کسی کے سزاوار نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوتا ہے۔ کیا تجھے وہ حدیث معلوم نہیں جو سیدنا ابوہریرہؓ سے مروی ہے؟ وہ جناب رسالت مآب ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "کبر میری چادر ہے اور عظمت میری ازار (شلوار) ہے۔ جو کوئی ان دونوں چیزوں میں مجھ سے اُلجھے گا میں اسے جہنم میں داخل کروں گا"۔ لہٰذا متکبر اس بات کا مستحق ہے کہ حق تعالیٰ اسے ہلاک اور ذلیل کردے اور جب وہ بڑا بننے کی ٹھانے تو اسے نہایت چھوٹا کردے۔ چنانچہ سیدنا حضرت عبداللہؓ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے لیے تواضع اختیار کرے گا، میں اسے بلند کردوں گا اور جو تکبر اختیار کرے گا، میں اسے ذلیل کردوں گا"۔

نیز حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بنی آدم کے سر پر ایک رسی ہے جس کو ایک فرشتہ تھامے ہوئے ہے۔ جب بندہ اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قدر و منزلت کے لحاظ سے، ساتویں آسمان پر اٹھا لیتا ہے اور اگر بندہ اپنے نفس کو بلند کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو حق تعالیٰ اسے زمین کے ساتویں طبقہ زیریں میں رکھ دیتا ہے یعنی نہایت ذلیل کردیتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن سلامؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور انور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ شخص ہرگز جنت میں نہ جاسکے گا جس کے دل میں رائی کے

دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا۔حضرت ابو ہریرہؓ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ کبر میری رداء (چادر) ہے اور عظمت میری ازار ہے۔جو شخص ان دونوں میں سے کسی ایک میں میرے ساتھ شرکت کرے گا، میں اُسے قعر جہنم میں پھینک دوں گا۔اور سیدنا کعبؓ سے مروی ہے کہ کوئی بندہ ایسا نہیں جس کے سر پر ایک رسی نہ ہو جسے ایک فرشتہ تھامے ہوئے ہے؛ اگر وہ تواضع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سربلند فرمادیتا ہے۔

کیا تجھے معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

''والملائکة باسطو آ ایدیهم (الی قوله) و کنتم عن اٰیٰا ته تستکبرون۔''(93:6)

جب ظالم لوگ سکرات الموت میں گرفتار ہوتے ہیں تو ملائکہ اپنے ہاتھ یہ کہہ کر ان کی طرف بڑھاتے ہیں کہ لاؤ اپنی جانیں ہمارے حوالے کرو۔آج کے دن تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں خلاف حق باتیں کرتے تھے اور تم اس کی آیتوں کی تحقیر کرتے تھے۔پھر اللہ نے اہل جہنم سے فرمایا:

''ادخلو آ ابواب جهنم خالدین فیها ج فبئس مثوی المتکبرین''۔(76:40)

جہنم کے دروازوں سے اندر داخل ہو جاؤ تا کہ وہاں ہمیشہ رہو اور متکبر لوگوں کا کیا ہی برا ٹھکانہ ہے!

تم کو اللہ نے خبر دی ہے کہ اہل جہنم میں سے سب سے زیادہ عذاب ان کو ہوگا جو سرکش اور متکبر ہیں۔ان پر ان کے گناہ اور ان ضعفاء کے گناہ لادے جائیں گے جو وہ لوگ ان متکبروں کی اتباع میں کرتے تھے۔چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

''ثم لننزعن من کل شیعة ایهم اشد علی الرحمن عتیا''۔(69:19)

پھر ہم ہر جماعت میں سے ان لوگوں کو کھینچ کر باہر نکال لیں گے جو خدائے رحمان کے سب سے بڑے باغیوں میں سے تھے۔

اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ یہ پکڑ اور عذاب بڑوں سے شروع ہوگا پھر ان سے جو جرم میں

ان سے بڑے ہیں۔

پھر حق تعالیٰ نے فرمایا:

"فالذین لا یومنون بالاخر ۃ قلوبھم منکرۃ و ھم مستکبرون"۔

پس جولوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ،ان کےقلوب(معقول بات کا)انکار کررہے ہیں اور وہ(قبول حق سے)تکبر کرتے ہیں۔ (22:16)

"لیحملوا اوزارھم کاملۃ یوم القیامۃ لا ومن اوزار الذین یضلونھم بغیر علم ط (25:16)

تا کہ وہ اپنے بوجھ پورے طور سے قیامت کے دن اٹھا سکیں اوران کے بوجھ بھی جن کو انہوں نے بغیر علم گمراہ کیا۔

نیز حق تعالیٰ نے فرمایا:

"یقول الذین استضعفوا للذین استکبرو لولا انتم لکنا مومنین "۔(34تا31)

جولوگ ضعیف سمجھے جاتے تھے وہ لوگ قیامت کے دن ان لوگوں سے جو متکبر تھے یہ کہیں گے کہ اگر تم لوگ نہ ہوتے (جو ہم پر جبر کرتے تھے) تو ہم ضرور ایمان لے آتے۔

اور اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کی قوم کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"اتعلمون ان صالحا رسل من ربه ط"(75:7)

(متکبر لوگوں نے کہا) کیا تم جانتے ہو کہ (حضرت) صالح ؑ اپنے رب کا بھیجا ہوا ہے؟

یعنی یہ بتایا کہ متکبر لوگ اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والے او رضعیفوں کو اس کے راستے سے روکنے والے ہوتے ہیں اور انبیاء ورسل کی مخالفت کرنے والے ہوتے ہین ۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم دخرن"۔(60:40)

بیشک جولوگ تکبر کرتے ہیں میری بندگی (اطاعت) سے تو وہ یقیناً نہایت ذلت کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔

چنانچہ سیدنا ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن متکبرین کو چیونٹیوں کی شکل میں اٹھایا جائے گا، اور لوگ ان کو پامال کریں گے۔

کیونکہ تکبر نے اکثر لوگوں کو اللہ کی مخالفت پر ابھارا ہے، اس لیے وہ گناہوں سے بہت قریب ہوگئے ہیں۔ حق تعالیٰ نے متکبرین کے لیے اپنے پاس کوئی جگہ نہیں رکھی۔

اللہ کا قرب صرف تواضع کرنے والوں کے لیے ہے۔ کیا تجھے حضور انورﷺ کے اس فرمان کا علم نہیں ہے جو سیدنا ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالمﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے قلب میں رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہوگا؟

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اسی پر دلالت کرتا ہے:

"تلك الدار الاخرة نجعلها للذين لايريدون علوا فى الارض ولا فسادا ط"۔(83:28)

یہ عالم آخرت ہم انہی لوگوں کے لیے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں نہ فساد کرنا۔

نیز اللہ تعالیٰ متکبر کی وہ نعمت جس کی وجہ سے وہ تکبر کرتا ہے، زائل فرمادیتے ہیں کیونکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کی وجہ سے تکبر کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ساصرف عن ايتى الذين يتكبرون فى الارض بغير الحق ط (146:7)

"میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں جس کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں ہے"۔ بعض تفاسیر میں آیا ہے کہ متکبرین کے قلوب سے فہم قرآن اٹھالیا جاتا ہے، اور عالم ملکوت اور ان کے قلوب کے درمیان حجاب پیدا کردیا جاتا ہے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ ان کو آیات الٰہی میں غور وفکر سے پھیر دیا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ سے مروی ہے کہ "بیج ہمیشہ نرم زمین میں اگتا ہے، سخت زمین میں ہرگز نہیں اگتا۔ اسی طرح حکمت بھی صرف قلب متواضع ہی میں پیدا ہوتی ہے، متکبروں کے دلوں میں پیدا نہیں ہوسکتی"۔ چنانچہ متکبر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اگر وہ تکبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ذلیل وخوار کردیتا ہے اور اس کے قلب سے حکمت کا فہم سلب کرلیتا ہے۔ اگر وہ تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی حکمت کی سمجھ عطا کردیتا ہے۔

کیا تجھے مالک ابن دینارؒ کی یہ روایت یاد نہیں کہ ایک روز حضرت سلیمانؑ نے ہوا کو حکم دیا کہ مجھے اوپر اٹھا۔ ہوا نے ان کو اس قدر بلند کر دیا کہ انہوں نے ملائکہ کی تسبیح سنی۔ پھر انہوں نے ہوا کو حکم دیا کہ مجھے نیچے لے جا۔ اس پر وہ انہیں اس قدر نیچے لے گئی کہ ان کے قدم سمندر کو چھونے لگے۔ اس کے بعد ایک منادی نے آسمان سے ندا کی اور ہوا سے کہا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تیرے ساتھی (سلیمانؑ) کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر آ جاتا تو میں اسے زمین میں اتنا گہرا دھنسا دیتا جتنا انہیں اوپر لے گیا تھا۔

میں نے پوچھا: ''تکبر ہوتا کیا ہے اور کس چیز سے پیدا ہوتا ہے؟'' انہوں نے جواب دیا کہ تکبر عُجب و کینہ و ریاء سے پیدا ہوتا ہے اور اس کی اصل اپنی قدر و قیمت کو نہ پہچاننا ہے۔ وہی آدمی تکبر کرتا ہے جو اپنی اصل اور حقیقت سے جاہل ہوتا ہے۔

میں نے پھر پوچھا: ''اس بات کا مطلب کیا ہے کہ کبر اپنی حقیقت کی عدم شناخت سے پیدا ہوتا ہے؟'' انہوں نے جواب دیا: ''جب انسان اپنی حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتا تو اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگتا ہے، پھر لوگوں پر اپنی بڑائی ظاہر کرتا ہے''۔ پس کبر کا مطلب ہے اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھنا۔ اسی احساس سے متکبرانہ اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور یہ سب چیزیں تکبر ہی میں داخل ہیں۔ عموماً تکبر، کینہ و ریاء و حسد و عُجب سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ ان سب چیزوں کی ابتداء میں انسان اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھتا ہے۔ پھر جب انسان اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگتا ہے تو رفتہ رفتہ وہ متکبر بن جاتا ہے۔

میں نے کہا: ''آپ نے تکبر کے متعلق تو بہت کچھ بتایا، اب تکبر کی اقسام کے متعلق بھی کچھ بتایئے''۔

انہوں نے کہا کہ تکبر کی دو قسمیں ہیں: (الف) بندوں اور اللہ کے درمیان (ب) بندوں اور بندوں کے درمیان۔

جو تکبر بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتا ہے وہ، وہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم دخرین۔'' (60:40)

جو لوگ میری اطاعت سے تکبر (انکار) کرتے ہیں یقیناً ذلت کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں

گے۔نیز فرمایا:

"لن یستنکف المسیح ان یکون عبداللّٰہ ولا الملائکۃ المقربون ط"(172:4)

اور مسیح ہرگز خدا کا بندہ بننے سے انکار نہیں کریں گے اور نہ مقرب فرشتے (انکار کریں گے)۔

یہ کبر نہایت شدید قسم کا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی لائق غور ہے:

"واذا قیل لھم اسجدوا للرحمن قالوا و ماالرحمن انسجد لما تامرناوزادھم نفورا۔"(60:25)

اور جب ان کافروں سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو پوچھتے ہیں کہ رحمٰن کیا چیز ہے؟ کیا ہم اسے سجدہ کریں جس کے سجدے کا تم ہمیں حکم دیتے ہو؟ اور اس بات سے انہیں اور زیادہ نفرت ہوتی ہے۔

نیز فرمایا: **"مازادھم الا نفورا ن استکبارا فی الارض "**(42:35)

نفرت ہی میں ترقی ہوئی، دنیا میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنے سے۔اسی وجہ سے ابلیس نے آدمؑ کے خلاف کبر اختیار کیا تھا، یہاں تک کہ ان سے دشمنی پر آمادہ ہو گیا اور اللہ کی اطاعت میں سجدے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ حضور انور ﷺ فرماتے ہیں: "جب ابلیس ابن آدم کو سجدہ کرتے دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ مجھ پر افسوس ہے! اسے سجدے کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کر لیا اور مجھے سجدے کا حکم دیا گیا تو میں نے سجدہ نہ کیا اور مردود ہو گیا"۔

اسی طرح یحییٰ بن جعدہ سے مروی ہے کہ جو شخص اپنی پیشانی اللہ کے لیے سجدے میں رکھ دیتا ہے وہ کبر سے بری ہو گیا، یعنی اس کبر سے جو بندے اور اللہ کے درمیان ہے۔ جان لو کہ یہ باب ہم نے اسی لیے لکھا ہے کہ بندے اور اللہ کے درمیان کبر کو واضح کر دیں، نیز یہ کہ بندہ کس طرح رسولوں کی مخالفت کرتا ہے اور کس طرح اللہ کے احکام کی مخالفت کرتا ہے۔ متکبر آدمی انبیاءؑ کی اتباع اور اطاعت سے انکار کر دیتا ہے اور اس کے دل میں اللہ کے خلاف عناد کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر وہ اس کی کتاب (قرآن مجید) کو بھی رد کر دیتا ہے اور اس کی حجت کا بھی انکار کر دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہی منکرین اور کفار کا قول نقل فرمایا ہے:

"انومن لبشرین مثلنا و قومھما لنا عابدون۔"(47:23)

انہوں نے کہا کیا ہم ایسے دو شخصوں پر ایمان لے آئیں جو ہماری طرح کے آدمی ہیں، حالانکہ ان کی قوم تو خود ہمارے زیر حکم ہے؟ اور کہا:

"ولئن اطعتم بشرا مثلکم انکم اذا لخاسرون۔"(34:23)

اور اگر تم اپنے جیسے ایک آدمی کے کہنے پر چلنے لگو تو بے شک تم گھاٹے میں ہو۔
پس ان کافروں نے انکار کیا اس بات سے کہ وہ اتباع کریں ان کی، جو تخلیق میں انہی کی مثل ہیں اور کہا:

"لولا انزل علینا الملائکة اونری ربنا ط"(21:25)

ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آئے یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں۔ان کے جواب میں حق تعالٰی نے فرمایا:

"لقد استکبرو افی انفسھم و عتواعتوا کسیراً"(21:25)

بے شک یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں ۔اور یہ لوگ حد انسانیت سے بہت دور نکل گئے ہیں۔ اور کہا:

"لولا انزل الیه ملك فیکون معه نذیرا۔"(7:25)

اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ اس کے ساتھ رہ کر ڈراتا۔

نیز کہا: **"لولا انزل علیه کنزا وجآء معه ملك ط"(12:11)**

انہوں نے کہا اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں نازل ہوا (اگر وہ سچا ہے) یا اس کے ساتھ ساتھ کوئی فرشتہ بھی کیوں نہیں آیا (جو ہمیں بتاتا کہ یہ واقعی نبی ہے) اور فرعون نے کہا:

"اوجآء معه الملائکة مقترنین۔(۴۳:۵۳)

یا فرشتے اِس کے جلو میں پرا باندھ کر آئے ہوتے (تو مجھے یقین ہو جاتا)۔
اللہ تعالٰی نے فرمایا۔

واستکبر ھو وجنود ہ فی الارض بغیر الحق(۳۹:۲۸)

اور فرعون اور اس کی فوجوں نے ناحق دنیا میں سر اٹھا رکھا تھا۔(پس اس نے اس بات سے بھی انکار کیا کہ وہ اللہ کا بندہ بن جائے، اور اس کی عبادت کرے یہاں تک کہ اس نے خود الوہیت اور ربوبیت کا دعوٰی کردیا)۔ (جاری ہے)

اثبات رسالت

(مولانا وحیدالدین خاں)

ہمیں تاریخ میں کسی ایسے کا علم نہیں جس کی زندگی بحث ونزاع کا موضوع بننے سے پہلے چالیس سال جیسی لمبی مدت تک لوگوں کے سامنے رہی ہوا اور اس کے جاننے والے اس کی سیرت وکردار کے بارے میں اتنی غیر معمولی رائے رکھتے ہوں۔

پہلی بار آپ پر غار حرا میں وحی اتری تو یہ آپ کے لیے ایک ایسا غیر معمولی واقعہ تھا جس کا آپ کو پہلے کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا، آپ شدت احساس کے ساتھ گھر لوٹے اور اپنی اہلیہ سے، جو آپ سے عمر میں بڑی تھیں، اس واقعہ کا ذکر کیا، اہلیہ کا جواب تھا۔۔''اے ابوالقاسم، خدا یقیناً آپ کی حفاظت کرے گا کیونکہ آپ سچ بولتے ہیں، آپ دیانت دار ہیں آپ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے ہیں اور لوگوں کے حقوق ادا کرتے ہیں۔،،

ابوطالب آپ کے چچا تھے، ان کے سامنے آپ نے اسلام کی دعوت پیش کی تو انہوں نے یہ کہہ کر اسے ماننے سے انکار کر دیا کہ میں اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ نہیں سکتا مگر اس کے بعد جب انہیں اپنے لڑکے علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے معلوم ہوا کہ وہ آپ پر ایمان لا چکے ہیں تو ابو طالب نے کہا بیٹے تم اس کے لئے آزاد ہو کیونکہ مجھے یقین ہے کہ محمد تم کو خیر کے سوا کسی چیز کی طرف نہیں بلائیں گے۔،،(آئیڈیل پرافٹ صفحہ ۶۸)

نبوت ملنے کے بعد جب آپ نے پہلی بار کوہ صفا کے دامن میں لوگوں کو جمع کر کے اپنی دعوت پیش کی اس وقت آپ ﷺ نے اپنی دعوتی تقریر شروع کرنے سے پہلے حاضرین سے یہ سوال کیا، تمہارا میرے متعلق کیا خیال ہے، جواب میں بالاتفاق یہ آواز آئی۔

ماجرّبنا علیك الاصدقا۔

تمہارے اندر ہم نے سچائی کے سوا کوئی بات کبھی نہیں دیکھی ہے۔(متفق علیہ)

پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ابتدائی زندگی کے بارے میں یہ ایک ایسا ممتاز تاریخی ریکارڈ ہے جس کی مثال کسی بھی شاعر، فلسفی، مفکر یا مصنف کے یہاں نہیں مل سکتی۔

جب آپ نے پیغمبری کا اعلان کیا تو مکہ کے لوگ جو آپ کو اچھی طرح جانتے تھے ان کے لئے یہ سوال خارج از بحث تھا کہ آپ کو نعوذباللہ جھوٹا یا جعل ساز سمجھیں، کیونکہ یہ محمد ﷺ کی اب تک کی پوری زندگی کے بالکل خلاف تھا، اس لئے انہوں نے کبھی آپ پر اس قسم کا الزام نہیں لگایا، بلکہ کہا تو یہ کہا کہ اس شخص کی عقل کھوئی گئی ہے، وہ شاعرانہ مبالغہ کرر ہے ہیں، اوران پر کسی کا جادو چل گیا ہے، ان پر جنات سوار ہے، مخالفین نے یہ سب کچھ کہا مگر کسی کی جرات یہ نہ ہوئی کہ وہ آپ کی صداقت اور دیانت داری پر شبہ ظاہر کرے، یہ حیرت انگیز بات ہے کہ ایک شخص جس کی قوم دشمن ہو چکی ہے، اور وطن میں اس کا رہنا بھی اسے گوارا نہیں ہے، اس شخص کے بارے میں اس کی دشمن قوم کا حال تاریخ یہ بیان کرتی ہے۔

لیس بمکة احدعنده شيء یخشى علیه الا وضعه عنده لما یعلم من صدقه وامانته۔ (سیرت ابن حشام جلد 2 صفحہ 98)

مکہ میں جس کسی کے پاس بھی کوئی ایسی چیز ہوتی جس کے بارے میں اسے کسی قسم کا اندیشہ ہوتا تو اسے آپ کے پاس رکھ دیتا، کیونکہ ہر ایک کو آپ کی سچائی اور دیانتداری کا یقین تھا۔

نبوت کے تیرہویں سال عین اس وقت جب کہ آپ کے مخالفین آپ کا مکان گھیرے کھڑے ہوئے تھے، اور اس بات کا قطعی فیصلہ کر چکے تھے کہ باہر نکلتے ہی آپ کو قتل کر دیں گے، آپ گھر کے اندر اپنے نوجوان عزیز علیؓ بن ابی طالب کو یہ وصیت کر رہے تھے کہ میرے پاس مکہ کے فلاں فلاں لوگوں کا مال امانت رکھا ہوا ہے، میرے جانے کے بعد تم ان سب کا مال انہیں واپس کر دینا۔

نضر بن حارث جو آپ کے مخالف ہونے کے ساتھ دنیوی معاملات میں قریش کے اندر سب سے زیادہ تجربہ کار تھا، اس نے ایک روز اپنی قوم سے کہا۔"قریش کے لوگو! محمد کی دعوت نے تم کو ایسی مشکل میں ڈال دیا ہے، جس کا کوئی حل تمہارے پاس نہیں ہے، وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے بچپن سے جوان ہوئے ہیں، تم اچھی طرح جانتے ہو کہ وہ تمہارے درمیان سب سے زیادہ سچے، سب سے زیادہ امانت دار اور سب سے زیادہ پسندیدہ شخص تھے، لیکن جب ان کے بال سفید ہونے کو آئے اور انہوں نے وہ کلام پیش کیا، جس کو تم سن رہے ہو تو اب تمہارا حال یہ ہے

کہ تم کہتے ہو "یہ شخص جادوگر ہے، یہ شاعر ہے، یہ مجنوں ہے" خدا کی قسم میں نے محمد کی باتیں سنی ہیں، محمد نہ جادوگر ہے، نہ وہ شاعر ہے، نہ وہ مجنون ہے، مجھے یقین ہے کہ کوئی اور مصیبت تمہارے اوپر آنے والی ہے"۔(سیرت النبی ابن ہشام جلد 1 صفحہ 319)

ابوجہل جو آپ کا چچا تھا اور آپ کا بدترین دشمن تھا، وہ کہتا ہے۔ "محمد! میں یہ نہیں کہتا کہ تم جھوٹے ہو، مگر جس چیز کی تم تبلیغ کر رہے ہو وہ صحیح نہیں، اس کو میں غلط سمجھتا ہوں"۔(ترمذی)

آپ کی نبوت چونکہ صرف عرب کے لئے نہیں تھی، بلکہ ساری دنیا کے لئے تھی، اس لئے اپنی زندگی ہی میں آپ نے ہمسایہ ممالک کے بادشاہوں کو دعوتی خطوط روانہ کئے، روم کے بادشاہ ہرقل کو آپ کا دعوت نامہ ملا تو اس نے حکم دیا کہ عرب کے کچھ لوگ یہاں ہوں تو حاضر کئے جائیں، اسی زمانے میں قریش کے چند لوگ تجارت کی غرض سے شام گئے ہوئے تھے۔ وہ دربار میں پہنچے تو ہرقل نے پوچھا تمہارے شہر میں جس شخص نے خدا کا رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے تم میں سے کوئی اس کا قریبی رشتہ دار بھی ہے۔ ابوسفیان نے جواب دیا وہ میرے خاندان کا ہے، اس کے بعد ہرقل اور ابوسفیان کے درمیان جو گفتگو ہوئی، اس کے چند فقرے یہ ہیں۔

ہرقل: اس دعوے سے پہلے کبھی تم نے اس کو جھوٹ بولتے ہوئے بھی سنا ہے۔

ابوسفیان: کبھی نہیں۔

ہرقل: کیا وہ عہد و پیمان کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

ابوسفیان: ابھی تک اس نے کسی عہد کی خلاف ورزی نہیں کی۔

ہرقل نے یہ سن کر کہا۔۔۔ "جب یہ تجربہ ہو چکا ہے کہ وہ آدمیوں کے معاملے میں کبھی جھوٹ نہیں بولا تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس نے خدا کے معاملے میں اتنا بڑا جھوٹ گڑھ لیا ہو"۔

یہ اس وقت کی گفتگو ہے جب کہ ابوسفیان ابھی ایمان نہیں لائے تھے اور محمد ﷺ کے کٹر دشمن تھے، بلکہ آپ کے خلاف جنگ کی قیادت کر رہے تھے، یہ خود کہتے ہیں کہ اگر مجھے یہ اندیشہ ہوتا کہ ہرقل کے دربار میں جو دوسرے قریشی بیٹھے ہوئے ہیں، وہ مجھے جھوٹا مشہور کر دیں گے تو میں اس موقع پر غلط بیانی سے کام لیتا۔(بخاری، **کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ**)

ساری تاریخ میں کسی بھی ایسے شخص کا نام نہیں لیا جا سکتا جس کے مخاطبین شدید مخالف ہونے

کے باوجود اس کی زندگی اور سیرت کے بارے میں اتنی غیر معمولی رائے رکھتے ہوں اور یہ واقعہ بجائے خود آپ کے رسول اللہ ہونے کا کافی ثبوت ہے، یہاں میں ڈاکٹر لیٹز کا ایک اقتباس نقل کروں گا۔ ''میں بہت ادب کے ساتھ یہ کہنے کی جرات کرتا ہوں کہ اگر فی الواقع خدائے پاک کے یہاں سے جو تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے، الہام ہوتا ہے تو محمد کا مذہب الہامی مذہب ہے، اور اگر ایثار نفس دیانتداری، راسخ الاعتقادی، نیکی اور بدی کی کامل جانچ اور برائی دور کرنے کے عمدہ ذرائع ہی الہام کی ظاہری بیّن علامتیں ہیں تو محمد کا مشن الہامی تھا۔

(Life of MOHAMMAD BY M.ABDULFAOAL)

جب آپ نے دعوت دینی شروع کی تو آپ کی قوم نے سخت ترین مصیبتیں ڈالیں، آپ کی راہ میں کانٹے بچھا دیتے، نماز پڑھنے میں آپ کے جسم پر نجاست لاکر انڈیل دیتے، ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے عقبہ ابن ابی معیط نے آپ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچا کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے، اس قسم کی حرکتوں سے جب آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا تو انہوں نے آپ کا اور آپ کے سارے خاندان کا بائی کاٹ کر دیا اور آپ کو مجبور کیا کہ بستی سے باہر ایک پہاڑی درہ میں جا کر بے یار و مددگار پڑے رہیں، اس دوران میں کوئی ضرورت کی چیز حتیٰ کہ کھانا پینا بھی نہ کوئی شخص آپ تک پہونچا سکتا تھا، اور نہ آپ کے ہاتھ فروخت کر سکتا تھا۔ آپ اپنے خاندان کے ساتھ تین سال تک اس حصار میں اس طرح رہے کہ پہاڑ درخت (طلح) کے پتے کھاتے تھے، آپ کے ایک ساتھی کا بیان ہے کہ اس زمانے میں ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چمڑہ ہاتھ آ گیا میں نے پانی سے اسے دھویا، پھر آگ پر بھونا اور پانی میں ملا کر کھایا تین سال کے بعد یہ حصار ختم ہوا۔

مکہ کے لوگوں کی یہ سنگ دلی دیکھ کر آپ طائف گئے جو کہ مکہ سے تقریباً چالیس میل کے فاصلہ پر امراء و رؤساء کا شہر تھا، وہاں کے لوگوں نے آپ سے نہایت بری طرح کلام کیا ایک نے کہا کیا خدا کو تیرے سوا کوئی اور پیغمبری کے لئے نہیں ملتا تھا، پھر ان لوگوں نے بدکلامی ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ طائف کے اوباشوں کو ابھار کر آپ کے پیچھے لگا دیا، یہ لوگ ہر طرف سے آپ کے اوپر ٹوٹ پڑے اور آپ پر پتھر پھینکنا شروع کیا، انہوں نے اس بری طرح آپ کو زخمی کیا کہ آپ

کے جوتے خون سے بھر گئے، آپ زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو بازو تھام کر کھڑا کر دیتے جب چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے، ساتھ ساتھ گالیاں دیتے اور تالی بجاتے، اسی طرح شام ہونے تک آپ کے پیچھے لگے رہے، شام کو جب وہ زخم اور خون کی حالت میں آپ کو چھوڑ کر چلے گئے تو آپ نے ایک باغ میں انگور کی ٹہنیوں کی آڑ میں پناہ لی، یہی وہ واقعہ ہے جس کے متعلق آپ نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ سے فرمایا: **''لقد لقيت من قومك مالقيت وكان اشد مالقيت منهم يوم العقبة''**۔

ان تمام ایذا رسانیوں کے باوجود آپ اپنا کام کرتے رہے، بالآخر قریش نے طے کیا کہ اب اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے کہ آپ کو قتل کر دیا جائے، چنانچہ ایک رات کو قریش کے تمام سرداروں نے ننگی تلواروں کے ساتھ آپ کا مکان گھیر لیا تا کہ صبح کو جب آپ باہر نکلیں تو آپ کو قتل کر دیا جائے مگر اللہ کی مدد سے آپ بحفاظت گھر سے نکل گئے اور مدینہ جا کر قیام فرمایا۔

اس کے بعد قریش نے آپ کے ساتھ باضابطہ جنگ چھیڑ دی، اور دس سال مسلسل آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو جدال و قتال میں اُلجھائے رکھا، جس میں آپ کے دانت شہید ہوئے، بہترین ساتھی مارے گئے، وہ تمام مصائب جھیلنے پڑے جو جنگی حالت پیدا ہو جانے کے بعد جھیلنے ہوتے ہیں۔ اس طرح کی ۲۳ سالہ تاریخ کے بعد آپ کی عمر کے آخری دنوں میں مکہ فتح ہوا، اس وقت آپ کے دشمن بے یار و مددگار آپ کے سامنے کھڑے تھے، ایسے وقت میں فاتح جو کچھ کرتا ہے، وہ سب کو معلوم ہے مگر آپ نے ان سے کوئی انتقام نہیں لیا، آپ نے پوچھا: **يا معشر قريش ماترون انى فاعل فيكم** (قریش کے لوگو: بتاؤ اب میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا، انہوں نے کہا آپ شریف بھائی ہیں، اور شریف بھائی کی اولاد ہیں، آپ نے فرمایا **إذهبو فانتم الطلقاء** ۔(جاؤ تم سب آزاد ہو۔) (سیرۃ النبی لابن ہشام مطبوعہ قاہرہ جلد ۴ صفحہ ۳۲) اعلیٰ ترین سلوک کی یہ حیرت انگیز مثال تاریخ کا ایک ایسا معجزہ ہے کہ اگر وہ دور تاریخ سے قبل کا ہوتا اور تاریخی طور پر ثابت نہ ہوتا تو یقیناً کہنے والے کہتے کہ یہ واقعہ نہیں بلکہ افسانہ ہے، کیونکہ کوئی انسان اب تک ایسا پیدا نہیں ہوا، پروفیسر باسورتھ اسمتھ (BOSWORTH SMITH) کے یہ الفاظ کس قدر صحیح ہیں:۔

''جب میں آپ کے جملہ صفات اور تمام کارناموں پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالتا ہوں کہ آپ کیا تھے اور کیا ہو گئے اور آپ کے تابع داروں نے جن میں آپ نے زندگی کی روح پھونک دی تھی، کیا کیا کارنامے دکھائے تو آپ مجھے سب سے بزرگ، سب سے برتر اور اپنی نظیر آپ ہی دکھائی دیتے ہیں''۔(MUHAMMAD AND MOHAMMEDANISM,)

پھر آپ نے اپنی ساری زندگی میں جس بے غرضی کا مظاہرہ کیا ہے وہ بھی اپنی مثال آپ ہے، منصب رسالت سے پہلے آپ مکہ کے ایک کامیاب تاجر تھے، اور آپ کے نکاح میں حضرت جیس عرب کی دولت مند خاتون تھیں لیکن رسالت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد آپ کی تجارت اور حضرت خدیجہؓ کی دولت دونوں ختم ہو گئیں، اور آپ کو اس سلسلے میں اتنی مصیبتیں اٹھانی پڑیں کہ آپ خود فرماتے ہیں ۔۔۔''مجھے خدا کی راہ میں اس قدر ڈرایا اور ستایا گیا کہ کسی کو اتنا ڈرایا اور ستایا نہیں گیا، مجھ پر تیس شب و روز ایسے گزرے ہیں کہ میرے اور بلال کے لئے کھانا، جسے کوئی جاندار کھا سکے، بس اتنی مقدار میں ہوتا تھا کہ بلال اسے بغل میں چھپا لیتے''۔

(مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

آپ نے صرف اپنے مشن کی خاطر یہ تکلیفیں اٹھائیں، ورنہ آپ کے لیے دوسری زندگی بھی ممکن تھی، جب آپ مکہ میں تھے، قریش کی طرف سے عقبہ یہ پیش کش لے کر آپ کی خدمت میں آیا کہ۔۔۔۔''بھتیجے! اگر اس دعوت سے تم مال و دولت چاہتے ہو تو آؤ ہم اتنا مال جمع کر دیں کہ تم سب سے بڑے مال دار بن جاؤ، اگر اس سے سرداری مطلوب ہے تو بتاؤ ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں کہ تمہیں اپنا سردار مان لیں، اگر سلطنت کی خواہش ہے تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بھی تسلیم کر لیں گے، لیکن اگر یہ واقعہ نہیں ہے، اور تم اپنے اندر جنون کی کیفیت پاتے ہو اور تمہیں ایسی چیزیں نظر آتی ہیں جنہیں تم دور نہیں کر سکتے تو ہم تمہارا علاج کرنے کے لئے بھی تیار ہیں''۔

عقبہ کی یہ تقریر آپ خاموشی سے سنتے رہے اور اس کے بعد جو جواب دیا وہ یہ کہ قرآن کی کچھ آیتیں پڑھ کر اسے سنا دیں۔(سیرت ابن ہشام جلد 1 صفحہ 314)

مدینہ میں ایک ریاست کے مالک تھے، آپ کو ایسے جاں نثار خادم حاصل تھے کہ ان جیسے وفادار اور جاں نثار ساتھی، آج تک کسی کو نہیں ملیں گے، مگر واقعات بتاتے ہیں کہ آخر عمر تک آپ

نے بالکل معمولی حالت میں گزاردی۔

حضرت عمرؓ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ "میں آپ کے حجرہ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ آپ بغیر قمیص کے کھجور کی معمولی چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں، اور آپ کے جسم پر چٹائی کے نشانات صاف نظر آرہے ہیں، حجرہ میں چاروں طرف نظر دوڑائی تو اس کا کل اثاثہ یہ تھا: ایک طرف تین چمڑے، ایک کونے میں کچھ چھال اور دوسرے کونے میں تقریباً ایک صاع جو یہ منظر دیکھ کر میں بے اختیار رو پڑا، آپ نے پوچھا روتے کیوں ہو، میں نے عرض کیا، قیصر و کسریٰ کو تو دنیا کی دولت حاصل ہے، اور آپ خدا کے رسول اس حال میں ہیں، یہ سن کر آپ بیٹھ گئے اور فرمایا: عمر! آخر تم کس خیال میں ہو، کیا تم نہیں چاہتے کہ ان کو دنیا ملے اور آخرت ہمارے حصے میں آئے"۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ دو دو مہینے گزر جاتے، لیکن نبی ﷺ کی بیویوں کے مکانات میں چولہا نہیں جلتا تھا، عروہؓ نے پوچھا تو آپ لوگ زندہ کیسے رہتی تھیں، انہوں نے جواب دیا کہ کھجور اور پانی ہماری غذا تھی، ساتھ ہی بعض انصار دودھ بھیج دیا کرتے تھے، ان ہی کی دوسری روایت ہے کہ محمد ﷺ کے مدینہ آنے کے بعد کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ گھر والوں نے مسلسل تین دن تک گیہوں کا استعمال کیا ہو، اور اسی حالت میں آپ دنیا سے چلے گئے۔

آپ نے قدرت رکھنے کے باوجود اس طرح زندگی گزاری اور جب دنیا سے رخصت ہوئے تو اپنی بیویوں اور اولاد کے لئے کچھ نہیں چھوڑا، نہ دینار نہ درہم، نہ بکری نہ اونٹ اور نہ کسی چیز کی وصیت کی، اس کے بجائے دنیا کی عظیم ترین حکومت کے بانی جس کو اپنی زندگی میں یہ معلوم تھا کہ اس کی حکومت ایشیا اور افریقہ سے گزرتی ہوئی یورپ کی سرحدوں تک پہنچ جائے گی، اس نے فرمایا۔

لا نورث ما ترکنا صدقة۔

ہم پیغمبروں کا کوئی وارث نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ (بخاری و مسلم)

آپ کے اخلاق و کردار اور آپ کے اخلاص و ایثار کی ایک جھلک جو اوپر پیش کی گئی، یہ کچھ مستثنیٰ واقعات نہیں ہے، بلکہ یہی آپ کی پوری زندگی ہے، آپ کی ساری زندگی اسی قسم کے واقعات کا دوسرا نام ہے، حقیقت یہ ہے کہ آپ کی انسانیت اتنی بلند تھی کہ اگر آپ پیدا نہ ہوتے تو

تاریخ کولکھنا پڑتا کہ اس سطح کا انسان نہ کوئی پیدا ہوا اور نہ کبھی پیدا ہو سکتا۔

ایسے غیر معمولی انسان کے بارے میں یہ عجیب نہیں ہوگا کہ ہم اس کو خدا کا رسول مان لیں، بلکہ یہ عجیب ہوگا کہ ہم اس کے رسول ہونے کا انکار کر دیں، کیونکہ آپ کو رسول مان کر ہم صرف آپ کی معجزاتی شخصیت کی توجیہہ کرتے ہیں، اگر ہم آپ کو نہ مانیں تو ہمارے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں رہتا کہ ان حیرت انگیز اوصاف کا سرچشمہ کیا تھا، جبکہ ساری معلوم تاریخ میں کوئی ایک بھی ایسا انسان پیدا نہیں ہوا، پروفیسر باسورتھ اسمتھ کے یہ الفاظ ایک لحاظ سے حقیقت واقعہ کا اعتراف ہیں، اور دوسرے لحاظ سے وہ سارے انسانوں کو آپ کی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں:۔

''محمد (ﷺ) نے اپنی زندگی کے آخر میں بھی اپنے لئے اسی منصب کا دعویٰ کیا، جس سے انہوں نے اپنے کام کا آغاز کیا تھا، اور میں یقین کرنے کی جرات کرتا ہوں کہ اعلیٰ ترین فلسفہ اور سچی مسیحیت ایک روز یہ تسلیم کرنے پر متفق ہوں گے کہ آپ ایک پیغمبر تھے، خدا کے سچے پیغمبر''۔

(MUHAMMAD AND MUHAMMEDANISM,P.344)

دوسرے پہلو سے رسول کی رسالت کا سب سے بڑا ثبوت وہ کتاب ہے، جس کو اس نے یہ کہہ کر پیش کیا کہ وہ اس کے اوپر خدا کی طرف سے اتری ہے، یہ کتاب بے شمار ایسی خصوصیات سے بھری ہوئی ہے، جو اس کے بارے میں اس امر کا قطعی قرینہ پیدا کرتی ہیں کہ یہ ایک غیر انسانی کلام ہے، یہ خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔

یہ بحث چونکہ مستقل اہمیت کی حامل ہے، اس لئے اس کو میں الگ باب میں بیان کروں گا۔

(جاری ہے)

ترغیب و ترھیب

(کرنل فضل ربی)

خطبات نبوی ﷺ:۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد انسانوں کی اصلاح تھا۔ اِس فریضہ کی ادائیگی میں نبی کریم ﷺ نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ دن رات اسی فکر میں گزر جاتے کہ اُمت راہ راست پر آئے۔ بدیں وجہ نبی کریم ﷺ کا ہر فرمان مبنی بر اِصلاح تھا۔ مگر کئی موقع پر صحابہ کرامؓ کو ترغیب دیتے۔ اِن مخصوص اُمور میں جہاد کے مواقع پر جہاد کی تیاری اور جہاد میں مردانگی دکھانا بھی شامل ہوتا تھا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ ہر غزوہ یا سریہ کے موقع پر مسلمانوں سے خصوصی خطاب فرماتے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے مندرجہ ذیل مواقع پر اپنے عساکر کو خطاب فرمایا۔

غزوہ بدر کے موقع پر جہاد فی سبیل اللہ کے بلند مقام اور اِسکی فضیلت پر اپنے لشکر کو خطاب فرمایا۔

اِس وعظ میں نبی کریم ﷺ نے جہاد کا فلسفہ بیان کیا۔ شہدا کے مقام کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ جنت کے وارث ہیں، صدق و صبر کا بطور خاص ذکر کیا جو مقصد میں کامیابی اور سرفرازی کیلئے ضروری ہیں۔ اِسی ترغیب کی تائید غزوہ بدر کے بعد اِنہی الفاظ میں ہوئی۔

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ ۝

اے نبی (ﷺ) مومنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے۔ (65:8)

غزوہ بدر کے موقع پر نبی کریم ﷺ کا خطبہ ملاحظہ ہو۔

لوگو! میں تمہیں اِسی چیز کی طرف رغبت دلاتا ہوں جس کی رغبت خود اللہ عزوجل نے دلائی۔ اِسی طرح میں تمہیں اِن چیزوں سے روکتا ہوں جن سے اللہ عزوجل نے تمہیں روکا ہے۔ وہ جلال و بلندی والا عظیم الشان خدا حق باتوں ہی کا حکم دیتا ہے۔ وہ سچائی کو پسند کرتا ہے۔ بھلائیاں کرنے والوں کو وہ اپنے پاس بڑے مرتبے عطا فرماتا ہے۔ اِس لئے اِسی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح انہیں فضیلتیں ملتی ہیں۔ سنو خدا کی منزلوں میں سے ایک منزل پر آج تمہارے قدم آ پہنچے ہیں۔ یہاں صرف وہی کام مقبول ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے ارادے سے کیا جائے گا۔ جنگ کے

موقع پر صبر ہی وہ چیز ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ رنج وغم کو دُور کر دیتا ہے اور اِن سے نجات دیتا ہے۔ساتھ ہی آخرت کی نجات بھی میسر ہو جاتی ہے۔تم میں خدا کا پیغمبر موجود ہے جو تمہیں ڈراتا بھی ہے اور حکم بھی دیتا ہے (امر و نہی کرتا ہے) دیکھو آج ایسی غلطی نہ کر بیٹھنا جس سے اللہ تعالیٰ تم سے ناخوش ہو جائے۔

فرمان خدا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا وبال اِس سے بھی زیادہ ہے جو تمہاری آپس کی ناراضگی کا ہو سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے احکام جو اپنی کتاب میں دے چکا ہے اور جو نشانیاں تمہیں بتا چکا ہے ذلت کے بعد اِس نے جو عزت تمہیں عطا فرمائی ہے اِس کو پیش نظر رکھو پس تم احکامِ خدا پر صبر و عزم کے ساتھ جم جاؤ۔رب العالمین تم سے راضی ہو جائے گا۔اللہ تعالیٰ سے اِس جہاد کے موقع پر ایسی دعا کرو کہ جنت ومغفرت کا وعدہ جو اِس نے تمہارے ساتھ کر رکھا ہے پورا ہو جائے، بیشک اس کے عذاب بڑے ڈراؤنے اور نہایت سخت ہیں۔خود میں بھی اور تم سب اِسی حی و قیوم زندہ و قائم خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں۔جس کی طرف ہم پناہ کیلئے جھکتے ہیں اور جس کا ہم سہارا لیتے ہیں۔اسی پر ہم توکل کرتے ہیں اور اسی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔اللہ ہماری اور جملہ مسلمانوں کی مغفرت فرمائے۔

اُحد کے میدان میں نبی کریم ﷺ نے اِسلامی لشکر کو اِس انداز سے ترغیب دی کہ اِن میں ثابت قدمی اور بردباشت کا جذبہ مزید مستحکم ہوا۔آپؐ نے فرمایا۔

لوگو! میں تمہیں وہی وصیت کرتا ہوں جو اللہ نے اپنی کتاب میں اطاعت و فرمان برداری اور حرام چیزوں سے بچنے کی کی ہے۔آج تم اجر اور ثواب کے مقام پر کھڑے ہو جس شخص نے اپنے کو ذکر (قرآن مجید) پر قائم کر لیا اور پھر اپنے نفس کو صبر، یقین، جہد مسلسل اور شرح صدر پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہُوا وہ حقیقی فوز و فلاح تک پہنچا۔دشمن سے جہاد کرنا مشکل کام ہے۔کم لوگ ہیں جو اس صبر آزما مرحلے میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ان لوگوں کے لئے مشکل کام نہیں جو حصول ہدایت کا پختہ عزم رکھتے ہوں۔اللہ تعالیٰ اس کا معین و مددگار ہوتا ہے جو اس کی فرمانبرداری کرتا ہے۔اور شیطان اِس کا دوست اور خیر خواہ ہوتا ہے۔جو اللہ تعالےٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔جہاد کی ابتداء صبر تحمل اور برداشت سے کرو۔اللہ تعالیٰ نے تمہارے نیک اعمال پر جس اجر و ثواب کا وعدہ کیا ہے ہر وقت اس کی جستجو میں لگے رہو۔میں تمہیں جس بات کا حکم دوں اس کی تعمیل کرو کیونکہ

میں تمہاری کامیابی کا سب سے زیادہ خواہش مند ہوں۔

یاد رکھو! باہمی اختلاف، جھگڑا اور رنسا دضعف و کمزوری کی علامت ہیں۔ اللہ تعالیٰ اختلاف اور انتشار کو پسند نہیں کرتا اور جو لوگ (اتفاق و اتحاد کو چھوڑ کر) اختلاف اور جھگڑے میں پڑ جاتے ہیں۔ وہ اللہ کی مدد اور حمایت سے محروم ہو جاتے ہیں ☆ لوگو! میرے قلب میں یہ بات القا کی گئی ہے کہ جو محض اللہ کے ڈر سے حرام چیزوں سے بچا اللہ تعالیٰ اس کی کوتاہیاں اور لغزشیں معاف کرتا ہے جس شخص نے بھی نیک عمل کیا اس کا ثواب دنیا یا آخرت میں ضرور ملتا ہے۔

میں نے تمہیں وہ باتیں بتادیں جو تمہیں اللہ کا مقرب بنادیں اور وہ باتیں بھی بتادیں جو آگ کی طرف لے جاتی ہیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی گئی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرتا جب تک مقرر رزق حاصل نہیں کر لیتا اور وہ رزق کم نہیں ہوتا خواہ اس وقت تک پہنچنے میں دیر ہی کیوں نہ کرے پس ہر آن اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور حلال ذریعہ سے رزق تلاش کرتے رہو رزق کی کمی تمہیں اس بات پر مجبور نہ کرے کہ تم اس کے حصول میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تک کر گزرو۔

عام طور پر نبی کریم ﷺ جب لشکر اسلام کو کسی مہم پر روانہ فرماتے تو امیر جیش کو تقویٰ اور حسن سلوک کی تاکید فرماتے۔ پھر تمام فوج کو خطاب عام فرماتے۔ اور اسلامی اصول جنگ کی تلقین کرتے۔ ذیل میں اسی نوعیت کا ایک حکم درج کیا جاتا ہے۔

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَمَّرَ اَمِيْرًا عَلٰى جَيْشٍ اَوْ سَرِيَّةٍ اَوْصَاهُ فِيْ خَاصَّتِهٖ بِتَقْوَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَمَنْ مَّعَهٗ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا ثُمَّ قَالَ اغْزُوْا بِاسْمِ اللّٰهِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَاتِلُوْا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ اغْزُوْا وَلَا تَغُلُّوْا ولا تَغْدِرُوْا وَلَا تَمْثُلُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِيْدًا وَ اِذَا لَقِيْتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَادْعُهُمْ اِلٰى ثَلٰثِ خِصَالٍ اَوْ خِلَالٍ فَاَيَّتُهُنَّ مَا اَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ فَاِنْ اَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ اِلٰى دَارِ الْمُهَاجِرِيْنَ وَاَخْبِرْهُمْ اَنَّهُمْ اِنْ فَعَلُوْا ذَالِكَ فَلَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِيْنَ وَعَلَيْهِمْ مَا

عَلَى الْمُهَاجِرِيْنَ فَاِنْ اَبَوْاَنْ يَّتَحَوَّلُوْا مِنْهَا فَاَخْبِرْهُمْ اَنَّهُمْ يَكُوْنُوْنَ كَاَعْرَابِ الْمُسْلِمِيْنَ يَجْرِىْ عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللّٰهِ الَّذِىْ يَجْرِىْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَكُوْنُ لَهُمْ فِى الْغَنِيْمَةِ وَالْفَيْئِ شَيْئٌ اِلَّا اَنْ يُّجَاهِدُوْا مَعَ الْمُسْلِمِيْنَ فَاِنْ هُمْ اَبَوْافَسَلْهُمُ الْجِزْيَةَ فَاِنْ هُمْ اَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ فَاِنْ هُمْ اَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَقَاتِلْهُمْ وَاِذَا حَاصَرْتَ اَهْلَ حِصْنٍ فَاَرَادُوْكَ اَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ نَبِيِّهٖ ﷺ فَلَا تَجْعَلْ لَّهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَلَا ذِمَّةَ نَبِيِّهٖ وَلٰكِنِ اجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّتَكَ وَذِمَّةَ اَصْحَابِكَ فَاِنَّكُمْ اِنْ تُخْفِرُوْاذِمَمَكُمْ وَذِمَمَ اَصْحَابِكُمْ اَهْوَنُ مِنْ اَنْ تُخْفِرُوْا ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ رَسُوْلِهٖ وَاِذَاحَاصَرْتَ اَهْلَ حِصْنٍ فَاَرَدُوْكَ اَنْ تُنْزِلَهُمْ عَلٰى حُكْمِ اللّٰهِ فَلَا تُنْزِلْهُمْ عَلٰى حُكْمِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَنْزِلْهُمْ عَلٰى حُكْمِكَ فَاِنَّكَ لَا تَدْرِىْ اَتُصِيْبُ حُكْمَ اللّٰهِ فِيْهِمْ اَمْ لَا۔ (صحیح مسلم: کتاب الجہاد والسیر)

حضرت سلیمان بن بریدہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو لشکر کا سپہ سالار بنا روانہ کرتے تو اسے خصوصی طور پر تقویٰ کی تلقین کرتے اور ساتھ والے مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کی تلقین کرتے پھر فرماتے اللہ کا نام لیکر دشمن پر ٹوٹ پڑو۔ اور کافروں سے گھمسان کی جنگ لڑو، لڑو مگر دھوکہ نہ دینا، حد سے نہ بڑھنا، اعضاء کو جدا نہ کرنا اور بچوں کو قتل نہ کرنا اور جب تمہاری مشرکوں سے مڈبھیڑ ہو تو اِن کے سامنے تین باتیں رکھنا اگر وہ اِن میں سے ایک بات بھی مان جائیں تو پھر ان سے جنگ نہ کرنا۔ پہلے اِن کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ قبول کرلیں تو اُن سے ہاتھ روک لو۔ اور ان سے کہو کہ وہ اپنا شہر چھوڑ کر مہاجرین کے شہر چلے جائیں اور اِن کو بتا دینا کہ اگر وہ ہجرت کریں گے تو اِن کے ساتھ مہاجرین جیسا سلوک کیا جائے گا۔ اگر وہ اِس پر تیار نہ ہوں تو اِن کو بتا دو کہ وہ بدوی مسلمانوں کی طرح سمجھے جائیں گے اور جس طرح مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کے احکام جاری ہونگے اِسی طرح اِن پر بھی ہوں گے۔ لیکن مالِ غنیمت میں وہ اِسی وقت حصہ لے سکیں گے جب وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شرکت کریں اگر وہ اسلام لانے سے انکار کردیں تو اِن سے جزیہ طلب کرو اگر وہ جزیہ دینے پر تیار ہوں تو اُن سے ہاتھ روک لو

ورنہ اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے ان پر حملہ کر دو اور اگر کسی قلعہ کا تم محاصرہ کر لو اور وہ لوگ اللہ یا اس کے رسول ﷺ کی ذمہ داری پر پناہ مانگیں تو اِس بات پر تم ان کو امان ہرگز نہ دینا بلکہ اپنے اپنے باپ دادا اور دوستوں کی ذمہ داری پر پناہ دینا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ عہد شکنی ہو جائے تو آبا وٗ اجداد اور دوستوں کی عہد شکنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذمہ توڑ دینے سے سہل ہے اور اِسی طرح تم کسی قلعہ کو محصور کر لو اور وہاں کے لوگ تم سے حکم الٰہی کی شرط پر صلح کرنا چاہیں تو راضی نہ ہونا بلکہ اپنی شرط پر انہیں امان دینا۔ کیونکہ معلوم نہیں تم اُن کے متعلق خدائی فیصلہ معلوم کر بھی سکو گے یا نہیں۔

نبی کریم ﷺ کے خطبات جہاد کیلئے اختیار کئے گئے ترغیب و تشویق کی روشنی میں ماحاصل محدود وسائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے حکومتی سطح پر ایسا انتظام و انصرام ہونا چاہیے کہ مستقل فوج کے علاوہ عوام الناس پر بھی ملکی دفاع کی اہمیت واضح ہو جائے۔ سرکاری عہدیداران، ریٹائرڈ افسران خطباءِ کرام اور علماءِ قوم کو جمعوں، عیدین اور دیگر موقعوں نیز ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر خطاب کے دوران اِس اہم پہلو پر روشنی ڈالیں۔ اِسی طرح اِس عنوان پر تفصیلی گفتگو، سیمینار، تقاریر اور ورکشاپوں کے دوران قوم کو دفاعی امور میں غفلت اور سستی برتنے سے باز رکھیں۔

ترغیب و ترہیب دینے والوں کے لئے ضروری ہے کہ اِن کی زندگی مثالی ہو۔ ہر وہ فعل جس کی وہ قوم کو ترغیب دیتے ہوں اپنی زندگی میں ان پر کاربند ہوں۔ غزوات میں خود اگلی صفوں میں رہنا، غزوہ احزاب میں خندق کھودنے کے دوران عام صحابہ کرامؓ کی طرح اپنے لئے حصہ مقرر کرنا۔ اور غزوہ احزاب کے دوران آپ ﷺ کا دیگر صحابہ کرامؓ کی طرح بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھنا ایسی مثالیں ہیں جو آج چودہ سو سال بعد بھی بریگیڈیئر طارق محمود جیسے سپوت قوم کو میسر ہیں اور جن کی وجہ سے نقطہ انجماد سے منفی ۴۰ ڈگری درجہ حرارت کے حامل برف پوش گلیشیر زیر پاک فوج کے نوجوان آفیسرز رضاکارانہ طور پر جاتے ہیں۔ اور اکثر کیپٹن محمد اقبال خان ہلال جرات اور کیپٹن محمد اکمل خان تمغہ بسالت جیسے لگن اور سیرت کے ساتھ جان کا نذرانہ پیش کر کے اعلیٰ روایات قائم کرتے ہیں۔ (جاری ہے)

اسلام اور رواجی پردہ

(مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی ؒ)

چھٹے سوال کا جواب

چھٹا سوال یہ ہے کہ مختلف ممالک کی رعایت سے پردے کی حدود میں کیا اختلافات قابل قبول ہیں؟ اس سوال کا جواب کسی حد تک پانچویں سوال کے جواب میں موجود ہے۔ جس طرح اپنے ملک میں جاکر وہاں کے قوانین ملکی کی پابندی ضروری ہوتی ہے اسی طرح وہاں کے آداب معاشرت کی پابندی بھی ایک اخلاقی تقاضا ہے۔ البتہ یہ لحاظ رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ ممنوعات شرعیہ کا ارتکاب نہ ہو، عصمت و حیا کے تقاضوں کو پورا کرنا ہر مسلمان عورت کے لیے لازمی ہے۔ یورپ میں بعض حصہ جسم کی عریانی فیشن میں داخل ہے لیکن ایک مسلمان عورت کے لئے یہ بالکل روا نہیں اگر چہ اس عریانی سے مفاسد نہ پیدا ہوتے ہوں۔ لیکن چہرہ ڈھانپنے کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے کہ چہرہ کھلا رکھنے کے مفاسد وہاں موجود نہیں۔ یہ مفاسد وہاں اتنے ہی بھر ہیں جتنے یہاں چہرہ ڈھانکنے کے باوجود ہیں۔ لیکن اگر ہماری عورتیں کسی ایسے علاقے میں جاتی ہیں جہاں چہرہ چھپائے بغیر عورتوں کا باہر نکلنا معیوب ہے تو وہاں کے آداب معاشرہ کا تقاضا یہی ہونا چاہیے کہ ہماری عورتیں بھی چہرہ چھپائے رکھیں بجز اس کے کہ کوئی شدید ضرورت پیش آجائے۔

کسی معاشرے کے جائز آداب کے مطابق چلنا ایک ایسا اخلاقی تقاضا ہے جو بعض اوقات ایک اضطراری مجبوری کی سی شکل رکھتا ہے۔ کسی سوسائٹی میں معمولی باتوں پر انکو بنا کوئی قابل تعریف بات نہیں۔ یہی وہ مواقع ہیں جن کے لیے فقہ اسلامی کا اصول تیسیر و توسیع المشقۃ تجلب التیسیر وضع کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو: ائمہ اربعہ کا ایک متفق علیہ فقہی اصول ہے۔ (مشقت آسانی کا تقاضا کرتی ہے) امام شافعی فرماتے ہیں۔ **اذا ضاق الامر اتسع** یعنی جب کسی معاملے میں تنگی پیدا ہو جائے تو حکم میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ یہ آسانی یا وسعت صرف جان کنی پیدا کرنے والے اضطراری کے لیے نہیں بلکہ عام حاجت کے لیے ہوتی ہے۔ فرض کیجیے ایک مریض کو کوئی مرض ہے جو اگر چہ جان لیوا نہیں لیکن باعث آزار ہے اور اس

کے لیے اس کے کسی قابل ستر حصہ جسم میں انجکشن یا دوا یا چیرا لگانے کی ضرورت ہے تو بقدر ضرورت اُسے کھولا جاسکتا ہے خواہ معالج و مریض دونوں ہم جنس ہوں یا مختلف الجنس ہوں۔

اسی طرح کی بعض دشواریاں عورتوں کے لیے سفر میں، تعلیم و تعلم میں، جاسوسی میں بیرونی ممالک میں اور بہت سے دوسرے ہنگامی حالات میں پیش آ سکتی ہیں اور آتی رہتی ہیں۔اور خاص سوسائیٹیوں میں بھی پیش آ سکتی ہیں۔اس وقت اس موقعے کے جو تقاضے ہوں گے ان کے مطابق تنگی میں فراخی اور مشقت میں آسانی پیدا کر لی جائے گی۔اور اسے عین فقہی اصول کے مطابق ہی تسلیم کیا جائے گا۔

چند قابل غور نظائر :

اس موقعے پر نامناسب نہ ہوگا اگر عہدِ نبوی کی بھی کچھ نظریں پیش کر دی جائیں۔ان سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ عام حالات میں اور مخصوص حالتوں میں حجاب کا کیا انداز رہا ہے؟نیز اس سے ہم آسانی اپنے معاشرے کی رسم پردہ کا اُس دور کے پردے سے مقابلہ بھی کر سکیں گے۔ملاحظہ ہو: (۱) حضرت انسؓ غزوہ احد کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ولقد رائیت عائشه وام سلیم وانهما لمشمرتان اریٰ خدم سوتهما تنقلان القرب علی متونهما ثم تفرغانه فی افواه القوم ثم ترجمان فتملأنها متفرغانه فی افواهم (بخاری و مسلم)

میں نے عائشہؓ اور ام سلیمؓ کو دیکھا کہ دونوں بڑی تیز رفتاری سے کام کر رہی ہیں۔اُن کی پنڈلیاں میری نگاہوں کے سامنے تھیں۔دونوں اپنی اپنی پشت پر مشکیزے اُٹھائے اِدھر سے اُدھر جاتیں اور لوگوں کے منہ میں پانی ڈالتیں اور پھر واپس آ کر مشکیزے پر کرتیں اور لوگوں کے مُنہ میں پانی ڈالتیں۔

(۲) غزوہ اُحد کا واقعہ بیان کرتے ہوئے سہلؓ ابن سعدؓ فرماتے ہیں :

کانت فاطمة بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم تغسله وعلی یسکب الماء بالمجن فلما رات فاطمة ان الماء لایذید الدم الاکثرة اخذت قطعة من حصیر فا حرقتها فالصقتها فاستمسك الدم۔

حضرت فاطمہؓ بنت رسول ﷺ حضور کے زخموں کو دھو رہی تھیں اور حضرت علیؓ ڈھال سے پانی انڈیلتے جاتے تھے۔ جب فاطمہؓ نے دیکھا کہ دھونے سے خون اور بہتا ہی جاتا ہے تو چٹائی کا ایک ٹکڑا لے کر جلایا اور اُسے زخم پر رکھا جس سے خون بند ہو گیا۔

(۳) اسی موقعے پر فارغ نامی قلعے (جس میں مسلمان عورتوں کو محفوظ کر دیا گیا تھا) کے گرد چند یہود آ گئے اور ایک نے دیوار پر چڑھ کر عورتوں کو دیکھا۔ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے ایک چوب لے کر اس زور سے اُس کے سر پر ضرب لگائی کہ وہیں وہ ختم ہو گیا۔ پھر اس کا سر کاٹ کر قلعے سے باہر پھینک دیا۔ یہود سمجھے کہ یہاں بھی محافظ مرد موجود ہیں اور وہ سب وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ مفصل واقعہ طبرانی کی کبیر او راوسط میں موجود ہے۔

(۴) اُم عمارہ نسیبہ بنت کعب مازینہ کہتی ہیں کہ میں میدان اُحد میں لوگوں کو پانی پلاتی پھرتی تھی۔ جب مسلمان گھر گئے تو میں حضور کے پاس آ گئی۔ اس وقت میں مصعبؓ بن عمیر کے پاس تھی۔ میں نے اپنا مشکیزہ پھینک کر تلوار سونت لی۔ کبھی تلوار چلاتی اور کبھی تیر کمان سے کام لیتی۔ ابن قمئہ کی ضرب سے ان کے کاندھے پر ایک گہرا زخم بھی آ گیا تھا جس میں تندرست ہو نے کے بعد گڑھا ہو گیا تھا۔ ابن ہشام نے یہ روایت تفصیل سے نقل کی ہے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں جس طرف بھی نظر اُٹھا کر دیکھتا تھا اُم عمارہ اُسی طرف لڑتی ہوئی نظر آتی تھیں۔

(۵) ابن عباس نجدہ ابن عامر حروری کے چند سوالات کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قد کان یغزوا بھن فیداوین الجرحی ویحذین من الغنیمة (رواہ مسلم وابوداؤد والترمذی عن نجدہ)

حضور ﷺ عورتوں کی معیت میں بھی جنگ فرماتے تھے۔ یہ عورتیں زخموں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ اور مال غنیمت میں اُن کا بھی حصہ ہوتا تھا۔

(۶) ام عطیہ فرماتی ہیں:

غزوت مع رسول اللّٰہ علیه وسلم سبع غزوات اخلفھم فی رحالھم فاصنع لہ الطعام واماوی الجرحیٰ و اقوم علی

المرضیٰ (راوی مسلم عن ام عطیہ)

میں نے حضورﷺ کے ساتھ سات جنگوں میں شرکت کی ہے ۔میں خیموں یا دوسرے ٹھکانوں میں قیام کرتی تھی ۔جہاں مجاہدوں کے لئے کھانا تیار کرتی تھی ۔زخمیوں کی مرہم پٹی اور مریضوں کی نگہداشت بھی کیا کرتی تھی ۔

(۷) ربیع بن معوذ کا بیان ہے:

قد کنا نغزو مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم لنسقی القوم و نخدمھم ونرد القتلیٰ والجرحیٰ الی المدینۃ ۔

ہم عورتیں حضورﷺ کے ساتھ شریک غزوات ہوا کرتی تھیں تا کہ پیاسوں کو پانی پلائیں، اُن کی خدمت کریں مقتولوں اور زخمیوں کو اُٹھا کر شہر میں لائیں ۔

(۸) جناب رفیدہ نے اپنا خیمہ مسجد نبوی کے پاس ہی اس لیے نصب کرایا تھا کہ جو بیمار یا زخمی ہوں اُن کی با قاعدہ تیمارداری اور مرہم پٹی کر سکیں ۔(اسد الغابہ)

یہ سب روایتیں بتاتی ہیں کہ عہد نبوت کی جنگوں میں عورتیں مردوں کو پانی پلاتی تھیں ۔ان کے لئے کھانا تیار کرتی تھیں ۔زخمیوں کی مرہم پٹی اور نرسنگ کا کام کرتی تھیں ۔زخمیوں اور مقتولوں کو اُٹھا اُٹھا کر لاتی تھیں اور ان تمام جنگی خدمات کے علاوہ جنگی مقابلہ بھی کرتی تھیں ۔اور موقعے پر خولہ بنت ازور کی طرح فوج کی قیادت بھی کرتی تھیں جو اسلامی تاریخ کا ایک کھلا ہوا اور روشن باب ہے ۔پھر یہ عورتیں نبرد آزما مردوں کی طرح غنیمت کے حصے بھی پاتی تھیں ۔اچھی طرح غیر جانبدارانہ غور وخوض کرنے کے بعد بتایئے کہ کیا عہد نبوت میں ہماری طرح عورتوں کو گھروں میں بند رکھا جاتا تھا ۔اور کیا عورتیں یہ تمام خدمات اپنے چہرے ڈھانپ کر یا برقعے اوڑھ کر کیا کرتی تھیں ۔چہرہ تو چہرہ ہے وہاں عبداللہ بن عباس کی روایت کے مطابق حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلیمؓ کی پنڈلیاں بھی نظر آ رہی تھیں ۔یہ درست ہے کہ یہ جنگی مواقع ہیں جو ایک عارضی اور فوری ضرورت (EMERGENCY) ہے لیکن اس قسم کی ضرورتیں دوسرے مواقع زندگی پر بھی پیش آ سکتی ہیں ۔اور آتی رہتی ہیں ۔خواہ سفر ہو یا حضر، جنگ ہو یا امن ۔کچھ اور روایات بھی ملاحظہ فرمایئے جن کا تعلق عام پر امن زندگی سے ہے ۔

(۱)ہم پہلے حکم میں بتا چکے ہیں کہ زیر دستوں (قیدیوں) سے ان کی مالکاؤں کا پردہ نہیں۔
نیز دوسرے حکم کے عین نمبر 4 میں اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ:
طوافون علیکم بعضکم علیٰ بعض یعنی تمہیں ایک دوسرے کے سامنے بار بار آنا ہی پڑتا ہے۔ یہ مجبوری صرف گھروں کے اندر ہی نہیں باہر بھی ہو سکتی ہے۔ معلم ہو یا کاروباری لین دین کرنے والا، معالج ہو یا افسر، اس قسم کے لوگوں سے اگر باہر جا کر بار بار واسطہ پڑتا ہو تو یہ بھی اسی قسم کی مجبوری ہے۔ اور کسی مہذب ملک کی سوسائٹی میں جہاں شرافت وامن اپنے ملک سے زیادہ ہو اسی قسم کی سوشل مجبوری بھی ہو سکتی ہے۔ ان تمام مجبورانہ حدود کے مواقع کا فیصلہ خود ایک مسلمان عورت کر سکتی ہے۔
(۲) ایک بار حضور کی خدمت میں ایک عورت آئی فضل بن عباس خود ابھی کم سن تھے، اس کی طرف بار بار غور سے دیکھنے لگے۔ حضورﷺ نے ہر بار ان کے سر کو پکڑ کر دوسری طرف گھما دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ اس کی طرف گھور کر نہ دیکھو۔
(۳) حضرت علیؓ سے بھی ایک بار حضورﷺ نے فرمایا کہ اچانک کسی عورت پر نظر پڑ جائے تو پہلی نظر معاف ہے لیکن پھر اُسے دیکھنا روا نہیں۔
ان دونوں روائتوں سے معلوم ہوتا ہے عورتوں کا چہرہ عام طور پر کھلا ہی رہتا تھا۔ اور جیسا کہ ہم پہلے حکم نمبر ۵ کے حاشیے میں لکھ چکے ہیں **ولو اعجبك حسنهن** سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے۔
(۴) اور سب بڑھ کر اور فیصلہ کن روایت یہ ہے جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ حضورﷺ نے عورت کے تمام جسم کو ستر قرار دیا ہے اور چہرے کو نیز کفین کو مستثنےٰ فرمایا ہے۔
غرض پردے کے متعین حدود کا فیصلہ اپنے ماحول کے مطابق ایک مسلمان عورت کو کر لینا چاہیے۔

مروجہ پردے کے نقصانات :

مروجہ پردہ ہمارے معاشرے کے لیے نہایت نقصان رساں ثابت ہوا ہے اور اس کی ذمہ داری زیادہ تر مردوں پر ہے۔ مردوں کا یہ حال ہے کہ خود تو تفریحات کرتے ہیں، ہوا خوری کرتے ہیں۔ لطف صحبت حاصل کرتے ہیں اور اپنی صحت درست رکھنے کے سوجتن کرتے ہیں لیکن عورتوں

کے بارے میں یہ نظریہ ہے کہ وہ تنگ و تاریک گھروں میں بند رہیں۔ تازہ ہوا سے محروم رہیں۔ چولہے کے دھوئیں اور راکھ میں اٹی رہیں۔ بچوں کی غلاظت صاف کرنے، کپڑے دھونے اور برتن مانجھنے، بچوں کو کھلانے اور بہلانے میں لگی رہیں۔ اور مدقوق ہو جائیں تو یہ عین عدل و مساوات حقوق ہیں۔ اس حق تلفی میں جو ذہنیت کام کرتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ یہ غریب مرتی ہے مرے۔ اس کی زندگی میں بھی تعدد ازواج کا دروازہ کھلا ہے اور مرنے کے بعد تو اس میں کلام ہی نہیں۔

دوسرے **الرجال قوامون علی النساء** کی تفسیر ان کے نزدیک یہ ہے کہ مرد ہر طرح ان پر حاوی و جابر ہیں۔ اس لیے یہ جو جی چاہے کریں ان سے کوئی باز پرس نہیں ہو سکتی۔ اس میں شک نہیں کہ بعض مواقع پر خود عورت ظالم اور مرد مظلوم ہوتا ہے۔ اور ایسے موقعوں پر عورت کی پاسداری نہیں کی جا سکتی۔ لیکن ہمارے معاشرے میں جو چیز بالعموم رائج ہے وہ یہی ہے کہ عورت بے دست و پا قیدی ہے اور مرد آزاد آقا۔

عورتوں کو گھروں میں قید رکھنے اور علم و ہنر سے محروم رکھنے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ ذہنی طور پر عورتیں مفلوج ہو چکی ہیں۔ ان کو کپڑے، زیور اور سنگھار کے سوا اور کوئی اونچی بات سوچنے کے قابل ہی نہیں رکھا گیا ہے۔ وہ دشمن کے مقابلے کا تصور ہی نہیں کر سکتیں۔ خطرات کے وقت گھر سے باہر جانے کا خیال نہیں لا سکتیں اور بے مائگی کو دور کرنے کے لیے کوئی کام کرنے کو معصیت سمجھتی ہیں۔ اور بچوں کی اعلیٰ تربیت کرنے کی صلاحیتوں سے بے بہرہ رہتی ہیں۔ یہ محض خیالی باتیں نہیں۔ واقعات ہیں 46ء کے فسادات بہار کے موقعے پر بعض آبادیوں میں بلوائیوں نے یورش کی۔ مردوں نے اپنی بساط بھر کا مقابلہ کر کے جانیں دے دیں اور عورتوں نے کنوؤں میں کود کر خودکشی۔ ایک گھر میں آگ لگائی گئی۔ باہر نکل کر بھاگنے کا خاصا موقع تھا مگر عورتوں کے تصور میں بھی یہ نہ آ سکا کہ گھر سے باہر کس طرح نکلا جا سکتا ہے۔ مرد اور بچے تو نکل بھاگے اور عورتیں وہیں جل کر رہ گئیں۔ مشرقی پنجاب میں پچاس ہزار عورتوں کو مسلمانوں سے چھین لیا گیا۔ لیکن نہ ان میں تاب مقابلہ تھی کہ لڑ کر جان دیتیں۔ اور نہ ان میں اتنی جرات تھی کہ قبضے میں آنے کے بعد از خود نکل کر پاکستان پہنچ جائیں۔ اور نہ ان کو پڑھنا لکھنا آتا تھا کہ مراسلت کر کے، اپنا پتہ حکومت پاکستان کو دیتیں کہ ان کو واپس بلا لیا جائے۔ آج ہمارے معاشرے میں لاکھوں عورتیں

ہیں جن کے شوہروں کی قلیل آمدنی بالکل ناکافی ہے بلکہ بعض بیوہ اور بچوں والیاں ہیں اور ان کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ۔ وہ اپنے بچوں کو تعلیم و تربیت کہاں سے دیں گی کہ انہیں دو وقت روٹی نہیں ملتی ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یا تو وہ عصمت فروشی پر مجبور ہوتی ہیں یا بھیک مانگتی پھرتی ہیں یا فاقے کرتی ہیں اور جسمانی صحت و ذہنی خودی کو خاک میں ملا رہی ہیں ۔ اگر انہیں گھروں میں بند کر کے علم و ہنر سے محروم رکھنے کی بجائے کچھ ہنر سکھایا جاتا تو اپنے گھر کی معاشی حالت کو سنبھال لیتیں ۔ اپنی آبرو اور اپنی خودداری و شرافت کو محفوظ رکھتیں اور دوسروں کی دست نگر نہ ہوتیں ۔ آج گھر کا ایک کمانے والا دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو اس کے سارے بال بچے بھی گویا زندہ درگور ہو جاتے ہیں ۔ یہ کس شریعت میں لکھا ہے کہ عورتوں کو خود کفیل ہونے کا کوئی موقع نہ دو ۔ انہیں کوئی علم و ہنر نہ سکھاؤ؟ اس کی وجہ بجز اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ عورتیں ہمیشہ مردوں کی دست نگر او رمجبور و مقہور بن کر گھروں میں بند رہیں ۔ کیا ایسی قوم کبھی سرفرازی کی نعمت سے ہمکنار ہو سکتی ہے جو اپنی آبادی کے نصف حصے کو بے مصرف ، بے کار اور محض ہوسناکیوں کا مرکز بنا کر رکھ چھوڑے؟ بلاشبہ انتظام خانہ داری کی اور بچوں کی پرورش و تربیت کی ذمیداریاں عورتوں پر عائد ہوتی ہیں لیکن ساری ذمیداریاں صرف انہی پر نہیں مرد بھی ذمیدار ہے اور جس طرح اندرون خانہ کی ذمیداریوں میں مرد بھی شریک کار ہے اِسی طرح بیرون خانہ کے کاموں میں عورت کی شرکت بھی اس کا ایک حق ہے ۔ او را سے اس حق سے محروم رکھنا کوئی اسلامی تعلیم نہیں ۔ مشہور فلسفی ابن رُشد نے بالکل صحیح کہا ہے کہ :

وہ قوم کبھی سرفرازی و سر بلندی حاصل نہیں کر سکتی جس کی عورتیں مردوں کے دوش بدوش کار زندگی میں شریک نہ ہوں ۔

المیہ مشرقی پاکستان

(حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

نوٹ! یہ مضمون خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبہ سے لیا گیا ہے جو ملتان میں مئی 1972ء میں آپ نے سقوط مشرقی پاکستان کے بعد منعقد ہونے والے سالانہ اجتماع میں بیان فرمایا۔

ایک المیہ جس کے متعلق میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں وہ بہت جانگداز او جاں گسل ہے۔ میرا اشارہ مشرقی پاکستان کی طرف ہے یہ کوئی المیہ نہ تھا بلکہ واقعی قیامت تھی جس نے مشرقی پاکستان کے حالات کو یکسر بدل دیا اس قیامت سے پہلے یہ خطہ زمین ایک اسلامی ملک تھا اب یہ ایک لادین اور دشمن اسلام قطعہ زمین ہے اس سے پہلے زندگی کا ہر شعبہ مسلمان سربراہوں کے ہاتھ میں تھا آج ہر کام، ہر جگہ اور ہر شعبہ پر کفار غالب ہیں اس سے پہلے وہاں اسلامی حکومت تھی۔ جو بنگالیوں کی غالب اکثریت کو پسند نہ تھی آج بھی کہنے کو حکومت بظاہر مسلمانوں کے قبضہ میں ہے لیکن حقیقت میں یہ ایک کٹھ پتلی حکومت ہے جس کو ڈوری دہلی کی ایک جادوگرنی کے ہاتھ میں ہے یہ کوئی سانحہ نہ تھا نہ یہ کوئی حادثہ تھا یہ تو قیامت تھی، واقعی قیامت ، کبریٰ نہ سہی صغریٰ سہی۔ قدرت کا غیض وغضب دہاڑتا، چنگاڑتا ہوا سائیکلون کی شکل میں خلیج بنگال سے اُٹھا اور دیکھتے دیکھتے مشرقی پاکستان کے جنوبی قطعات پر ٹوٹ پڑا۔ آٹھ دس دن وہ تباہی و بربادی رہی کہ الحفیظ والامان، بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے بالکل غرق ہو گئے اور وہاں زندگی کا نام نشان نہ رہا۔ ساحلی قصبات اور شہروں میں مدتوں تک نظم ونسق بحال نہ ہو سکا۔ لاکھوں ڈوب کر مرے، لاکھوں بھوک سے مر گئے۔ سرکاری اندازے کے مطابق دس لاکھ انسان کام آئے۔ مکانات اور مال و دولت کا جو نقصان ہوا وہ الگ۔ ابھی اس قیامت صغری کے عواقب ختم نہ ہونے پائے تھے کہ بنگالیوں نے بہاریوں، پنجابیوں اور غیر بنگالیوں کا قتل عام شروع کر دیا یہ قیامت پہلی قیامت سے کچھ زیادہ ہی تھی اُس قیامت میں عورتوں کی عصمت دری تو نہ ہوئی تھی ان کی چھاتیاں تو نہ کاٹی گئی تھیں والدین کے سامنے ان کی بیٹیوں، بہنوں، اور بیویوں کی عصمت تو نہ لوٹی گئی تھی مگر اس دفعہ تو یہ سب کچھ ہوا۔ کوئی روکنے والا نہ تھا شہ دینے والے ہزاروں تھے۔ سارے صوبے میں لاقانونیت پھیل گئی، بینک لوٹے گئے، فیکٹریاں تباہ کی گئیں مال واسباب سے بھری ہوئی دکانیں جلائی گئیں، غریب، مزدور، امیر، رئیس اور سرمایہ دار بلا امتیاز تلوار کے گھاٹ اُتارے گئے اور اس طرح لاکھوں آدمی قتل ہوئے آخر کار لاقانونیت کو روکنے اور لوگوں کی حفاظت کرنے کیلئے پاکستان کی فوجیں آگے بڑھیں اب ان کے ہاتھوں بے شمار باغی قتل ہوئے اب ان فوجوں کے مقابلہ کے

لئے بھارت نے گوریلا فوج تیار کرنی شروع کی ۔ جابجا کیمپ کھل گئے اور باغی بنگالیوں کو با قاعدہ جنگ اور گوریلا طریقہ حرب کی تربیت دی جانے لگی اس فوج نے تیاری کر کے جب ہماری عساکر قاہرہ سے ٹکر لی تو ہر جگہ منہ کی کھائی ۔ یہ حالت دیکھ کر بھارت اپنی پوری طاقت سے میدان میں اُتر آیا اور پاکستان کے مشرقی اور مغربی دونوں صوبوں میں با قاعدہ جنگ شروع ہوگئی ۔ بے شمار آدمی اس جنگ میں کام آئے ان لڑائیوں میں ہماری فوجوں نے ایسی بہادری دکھائی جس کی مثال جنگی تاریخ میں کہیں بھی نہیں ملتی ایک مقام پر ہمارے صرف ۴۲ غازیوں نے ۵۴۰ بھارتی فوجیوں کو جہنم رسید کیا ۔ بیرونی ممالک کے نامہ نگاروں نے ایسے بہت سے چشم دید واقعات بیان کئے ہیں ۔ لیکن بھارتی فوجیں اور بحری بیڑہ روس کے دیئے کے ہوئے تازہ ترین ہتھیاروں اور آبدوزوں اور میزائلوں وغیرہ سے لیس تھا اور خود روسی افسر جنگ میں ہدایات دے رہے تھے نیز یہ کہ مشرقی پاکستان کو کسی طرف سے مدد نہ پہنچ سکتی تھی جن دوست ملکوں پر ہم نے خدا کو چھوڑ کر بھروسہ کیا تھا انہوں نے محض زبانی ہمدردی اور چیخ و پکار کے کوئی اور ٹھوس مدد نہ دی ۔ اس کے علاوہ جیسا کہ سب جانتے ہیں ہماری فوجی قیادت نہایت ناکارہ تھی ہمارے جرنیل شراب و کباب کی اور رقص و سرور کی محفلوں میں مست و مدہوش تھے ۔ نتیجہ وہی ہوا جو ایسے حالات میں ہونا چاہئے تھا یعنی کہ ہم کو مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالنے پڑے اور ہمارے ۹۳ ہزار فوجی ہندوؤں کی قید میں چلے گئے ۔ دراصل یہ تھا سب سے بڑا سانحہ جو پچھلی دونوں قیامتوں سے بھی زیادہ نقصان رساں اور جگر دوز تھا ایسی شکست مسلمانوں کو دنیا میں اس سے پہلے کبھی اور کہیں بھی نہیں ہوئی اور وہ کون سا مسلمان ہے جس کا دل اس شکست کے بعد زندہ رہنے کو چاہتا ہو مگر کیا کیا جائے خودکشی بھی حرام ہے ۔

اب لوگ اس شکست فاش کی وجوہات کا پتہ لگانے کے درپے ہیں کوئی کہتا ہے کہ ہماری فوجوں کے پاس سامان حرب نکما اور کم تھا ۔ کوئی کہتا ہے کہ ۱۹۶۵ء میں جو بہادر افسر لڑے تھے وہ سب فوجوں سے نکال دیئے گئے کوئی کہتا ہے کہ اس کی واحد وجہ فوجی قیادت کی نالائقی اور بدچلنی تھی ۔ کوئی کہتا ہے کہ ہماری نئی نسلوں کو نظریہ پاکستان سے واقف نہیں کیا گیا وغیرہ وغیرہ ۔

مگر برادران حلقہ! میں تو ایک فقیر درویش ہوں میری رائے میں تو اس ذلت آمیز شکست کی وجہ خود ہماری بداعمالیاں ، خامیاں ، کوتاہیاں اور مذہب سے بے اعتنائی ہے ابھی تو اللہ نے ہمارے صرف ایک گال پر تھپٹر مارا اور دوسرے کو آزمائش کے لئے چھوڑ دیا ہے اگر ہم نیک اعمال کرنے لگیں اور اچھے مسلمان بن جائیں تو نہ صرف یہ کہ پاکستان کا جو حصہ بچ گیا ہے وہ خوب پھولے پھلے گا اور ترقی کرے گا بلکہ پچھلی سزا کی تلافی بھی کردی جائے گی لیکن اگر ہم اب بھی نہ جاگے تو پھر جو کچھ باقی رہا ہے اس سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے

سقوطِ ڈھاکہ ۔۔ اسباب و اسباق

(جاوید قریشی)

قارئین کو یاد ہوگا کہ 1940ء کی قرارداد پاکستان تاریخی شہر لاہور کے منٹو پارک میں شیر بنگال اے۔کے فضل الحق نے پیش کی تھی۔بنگال کی مسلم آبادی نے پاکستان کے حصول کی تحریک میں بڑھ چڑھ کے حصہ لیا۔یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بنگال کی مدد کے بغیر حصول پاکستان شاید ممکن ہی نہ ہوتا۔پھر وہ کیا حالات اور وجوہ تھیں جنکی بدولت مشرقی پاکستان دنیا کے نقشے پر بنگلہ دیش کے روپ میں نمودار ہوا۔

اب جب کہ بنگلہ دیش کو معرض وجود میں آئے 35/36 سال ہو چکے،ہم پاکستانیوں کی خواہش ہے کہ اس ملک میں بسنے والے ہمارے بھائی امن چین سے رہیں۔ترقی اور خوشحالی کی منزلیں طے کریں اور اہل پاکستان سے انکے روابط انتہائی دوستانہ اور برادرانہ رہیں لیکن ان اسباب کا احاطہ کرنا ضروری معلوم دیتا ہے جنہوں نے اس ملک کو دولخت کیا تاکہ قوم سابقہ غلطیوں کا اعادہ کر کے مزید صدموں اور نقصانات سے محفوظ رہے۔درست ہے کہ سقوط ڈھاکہ کے بعد اس وقت بھارت کی وزیر اعظم اندرا گاندھی نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ بھارت نے اپنی ایک ہزار سالہ مسلم غلامی کا بدلہ لے لیا ہے۔بھارت کی مسلح مداخلت اور جارحیت کے بغیر شاید ایسا ہونا ممکن نہ ہوتا لیکن محض بھارتی جارحیت کو اس کیلئے ذمہ دار ٹھیرا کر بات ختم کر دینا تاریخی اعتبار سے درست نہ ہوگا۔ہمیں کھلے دل اور صاف ذہن سے ان تمام محرکات کا جائزہ لینا ہوگا۔جن کی وجہ سے یہ سانحہ پیش آیا۔چاہئے تو یہ تھا کہ اس قومی سانحہ سے کچھ سیکھ لیا جاتا اور کوشش کی جاتی کہ انہی غلطیوں کا اعادہ نہ کیا جائے جن کی 70 کے عشرہ میں اس قدر بھاری قیمت ادا کر چکے ہیں۔لیکن افسوس سے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہم نے ملک کے دائیں بازو سے محروم ہو جانے کا غم جلد ہی فراموش کر دیا۔

مزید افسوس اس بات کا کہ تاریخ اور حالات سے سبق حاصل کرنے کی بجائے ہم مستقل اپنی غلطیوں کو دہراتے جا رہے ہیں جنکے باعث مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بنا۔اللہ تعالیٰ ہماری قوم اور حکمرانوں کو عقل سلیم عطا فرمائے اور ملک کو تحفظ اور عافیت میں رکھے۔

مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں بعض بنیادی فرق تھے،یہ اختلاف مذہب کے علاوہ زندگی کے ہر پہلو میں تھے،زبان،لباس،ثقافت،سیاست،غرض کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس میں مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں گہری یگانگت پائی جاتی ہو،مقابلہ میں مغربی پاکستان میں

واقعہ جغرافیائی علاقے صوبہ سرحد، پنجاب، سندھ، اور بلوچستان میں آباد لوگوں میں کافی باتیں مشترک تھیں۔ دوسرے یہ کہ اردو زبان برصغیر کے مسلمانوں کی زبان تھی مغربی پاکستان میں کم و بیش ہر جگہ سمجھی جاتی تھی۔ پاکستان بننے کے فوراً بعد یہی خیال تھا کہ پاکستان کی قومی زبان ایک ہی ہوگی اور وہ اردو ہوگی۔ اردو زبان مسلمانان برصغیر کی میراث تھی جو بہت ترقی یافتہ اور بلیغ زبان تھی۔ اردو ادب، شاعری، تنقید غرض ہر اعتبار سے مکمل زبان تھی لیکن مشرقی پاکستان کے لوگ اپنی زبان بنگلہ پر فریفتہ تھے اور کیوں نہ ہوتے کہ بنگلہ بذات خود بہت ترقی یافتہ زبان ہے، بلکہ برصغیر میں اس وقت تک واحد نوبل انعام یافتہ شخصیت رابندر ناتھ ٹیگور بنگلہ زبان ہی میں شاعری کرتے اور موسیقی ترتیب دیتے تھے اور اسی پر انہیں نوبل انعام کا حقدار قرار دیا گیا۔

جب قائداعظم مشرقی پاکستان کے دورہ پر گئے تو انہوں نے وہاں ایک تقریر کے دوران کہہ دیا کہ پاکستان کی ایک ہی زبان ہوگی اور وہ اردو ہوگی۔ اس اعلان سے تمام مشرقی پاکستان میں احتجاج اور ہنگامے شروع ہوگئے جو بڑھتے بڑھتے طلبا اور یونیورسٹی تک پہنچ گئے۔

پولیس فائرنگ سے بدقسمتی سے بعض قیمتی جانیں ضائع ہوئیں جنکی یادگار آج بھی ڈھاکہ یونیورسٹی میں شہید مینار کی شکل میں موجود ہے۔ یہ واقعہ دراصل مشرقی اور مغربی پاکستان میں اختلافات کی بنیاد بنا بعد میں خلیج وقت کیساتھ بڑھتی چلی گئی۔ حکمرانوں کوتاہ بینی اور عاقبت نا اندیشی نے جلتی پر تیل کا کام دیا اور اختلافات انجام کار ملک کے دولخت ہونے پر منتج ہوئے۔

قیام پاکستان کے وقت مشرقی پاکستان کی آبادی مغربی پاکستان سے مقابلتاً زیادہ تھی۔ اگر جمہوری اقدار کا پاس رکھا جاتا تو جس جماعت کی پارلیمنٹ میں اکثریت ہوتی اسی کو حکمرانی کا حق ملنا چاہئے تھا لیکن مغربی پاکستان کے سیاستدان شاید مشرقی پاکستان کی بالادستی قبول کرنے کو تیار نہ تھے، اسے سیاسی تنگ نظری کہا جائے یا عاقبت نا اندیشی۔ ہوا یونہی اور مشرقی پاکستان کے ذہن پر زبان کے مسئلہ پر جو شکوک ابھرے تھے مغربی پاکستان کے سیاست دانوں کی کج فہمی کی بنا پر اور مضبوط ہوئے اور ملک کے دونوں صوبوں کے درمیان فاصلوں میں اضافے کا سبب بنے۔ لوگوں میں احساس پیدا ہونا شروع ہوا (جسے سیاست دانوں نے اپنے مفاد میں خوب استعمال کا) کہ شاید متحد پاکستان میں ہنگاموں کے مفادات کے تحفظ دشوار رہوگا۔ آزادی کے وقت ملک شدید اقتصادی بحران کا شکار تھا۔ صنعت و حرفت نام کو نہ تھی۔ مشرقی پاکستان ہو یا مغربی پاکستان بنک انشورنس کمپنیاں، ذرائع رسل و رسائل کی عدم موجودگی، دفتروں میں فرنیچر، ملازمین کو تنخواہیں ادا کرنے کیلئے سرکاری خزانے میں رقم نہیں۔ کیفیت یہ تھی کہ برصغیر کا پٹ سن پیدا مشرقی پاکستان

میں ہوتا تھا لیکن کارخانے سب کے سب کلکتہ میں تھے۔
مشرقی پاکستان جغرافیائی طور پر ڈیلٹائی علاقہ تھا، دریا سمندر کی طرح عریض تھے جن پر پلوں کی تعمیر وسائل سے باہر تھی اس پر اس علاقہ میں طوفان اور سائکلون آتے رہتے جن سے عظیم جانی اور مالی نقصان ہوتا۔ جیوٹ یا پٹ سن کی برآمد زرمبادلہ کمانے کا بڑا ذریعہ رہی۔ مشرقی پاکستان کے عوام اور معیشت دانوں نے اعتراض کرنا شروع کیا کہ زرمبادلہ کمایا تو مشرقی پاکستان کی برآمدات سے جاتا ہے (پٹ سن اور چائے وغیرہ) لیکن اس کا خرچ زیادہ تر مغربی پاکستان میں ہوتا ہے۔ ایوب خان کے زمانہ میں دارالخلافہ کراچی سے اسلام آباد منتقل ہوا تو مشرقی پاکستان کے احساس محرومی میں مزید اضافہ کا باعث بنا۔ بنگالیوں کی تشفی کیلئے ڈھاکہ میں ایک اور دارالخلافہ، سیکنڈ کیپٹل کے قیام کی منظوری دی گئی جو نہایت سست روی کا شکار رہا۔ لوگ مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان آتے تھے اسلام آباد کی ترقی دیکھ کر اور سیکنڈ کیپٹل کا اس سے مقابلہ کر کے دل مسوس کر رہ جاتے۔ پھر فوج کا صدر دفتر راولپنڈی مغربی پاکستان میں بنکوں کے ہیڈ آفس کراچی میں قومی ہوائی کمپنی (پی آئی اے) مغربی پاکستان میں بغرض ترقی کی تمام علامات مغربی پاکستان میں اور مشرقی پاکستان میں غربت اور محرومی۔ اس اعتراض کے جواب میں کہ مرکز کی طرف سے مشرقی پاکستان کو رقوم کی فراہمی انکے جائز حصہ سے کم کی جاتی ہے۔ عام طور پر کہہ دیا جاتا کہ وہاں ایک خاص مد سے زیادہ رقوم خرچ نہیں کی جاسکتیں۔ اس سرزمین کی (absorption capacity) کم ہے مشرقی پاکستان کے لوگوں کو یہ دلیل زیادہ متاثر یا مطمئن نہ کر سکتی تھی، یہ ناہمواری مزید بگاڑ کا سبب بنی۔ انتظامی امور میں بھی حالات اس طرح کے پیدا ہونے لگے کہ وفاق کو ایک مضبوط رشتہ میں باندھنے میں رکاوٹ بنیں۔ مغربی پاکستان سے جو اعلیٰ سول سرونٹس مشرقی پاکستان جاتے تھے ان کا رویہ بالعموم غیر ہمدردانہ اور تحکمانہ ہوتا تھا لوگوں کی زبان ان کو آتی نہ تھی جس سے حاکم اور محکوموں کے درمیان فاصلے کم ہونے کی بجائے بڑھنا شروع ہوگئے۔ عوام ان افسروں اور حاکموں کو سابقہ نوآبادیاتی نظام کا تسلسل ہی سمجھتے۔ نئے وفاق کی بنیاد مستحکم کرنے میں ہماری سول سروس نے بھی کوئی قابل فخر کردار انجام نہیں دیا اسی طرح فوج میں بھی افسروں اور جوان دونوں سطح پر بنگالیوں کا داخلہ شروع میں مشکل ہوتا۔ وجہ یہ تھی کہ فوج میں بھرتی کا جسمانی معیار جو شروع سے متعین ہو چکا تھا ایسا تھا جس پر بنگالی پورا نہ اترتے سرحد اور پنجاب کے لوگ مقابلتاً زیادہ چوڑے چکلے اور بلند قامت ہوتے۔ بنگالی نسبتاً پست قد اور کم چوڑے چکلے افراد تھے۔ درست ہے کہ فوج نے معیار کو نرم کیا کہ مشرقی پاکستان کے لوگ فوج

میں زیادہ تعداد میں شریک ہوسکیں لیکن بداعتمادی کا بیج بویا جا چکا تھا۔ وقت گزرنے کیساتھ یہ پودا پھل پھول کر اتنا تناور درخت بن گیا جس کے نیچے یگانگت اور حب الوطنی کا پنپنا دشوار ہو گیا۔ مشرقی پاکستان کے لوگ ہر اعتبار سے خود کو مظلوم اور مغربی پاکستان کے لوگوں کو ظالم سمجھتے تھے، بالخصوص پنجاب کیخلاف جذبات رفتہ رفتہ اس قدر شدید ہو گئے کہ علامتاً ہر مغربی پاکستانی کو وہ پنجابی ہی کہتے۔ پنجابیوں کی تعداد مغربی پاکستان میں عددی اعتبار سے زیادہ تھی۔

اس وجہ سے ان کا تناسب فوج میں سول سروس میں اور زندگی کے دیگر شعبوں میں زیادہ نظر آتا، چنانچہ بنگالیوں نے سمجھ لیا کہ انکی محرومی کے اصل ذمہ دار پنجاب کے عوام ہیں۔ ظاہر ہے یہ مفروضہ غلط بنیاد پر قائم کیا گیا تھا۔ کاش وہ سمجھ سکتے یا انہیں سمجھایا جا سکتا کہ غیر جمہوری حکومتوں اور نظام کی بدولت پنجاب کے عوام بھی اسی قدر دکھی اور دل گرفتہ رہے جس قدر مشرقی صوبہ کے لوگ لیکن چونکہ جمہوریت کی عدم موجودگی میں مکالمہ کی روایت ختم ہو جاتی ہے پنجاب کے لوگ بنگالی بھائیوں تک دل کی بات پہنچانے میں ناکام رہے۔

ملک کے دولخت ہونے میں بھارتی جارحیت اور توسیع پسندی تو اہم وجوہ تھیں ہی پاکستان میں سیاسی عمل اور اہل سیاست کی ناکامی کوتاہ عقلی اور معاملہ فہم نہ ہونے کو بھی اس میں بڑا دخل ہے اس بات کا ادراک بہت لازم ہے کہ سیاسی مسائل کو سیاسی طریق سے حل کیا جائے۔ وفاق کے تمام حصوں کیساتھ مساویانہ اور برابری کا سلوک ہو۔ اقتصادی ترقی میں سب کا یکساں خیال رکھا جائے۔ ہر صوبہ کی اپنی زبان اور اپنی ثقافتی شناخت ہوتی ہے۔ ان تمام کو عزت اور احترام سے دیکھا جائے۔ دراصل مختلف ثقافتی دھارے مل کر ہی قومی ثقافت کا روپ اختیار کرتے ہیں، جس طرح انواع واقسام کے پھول مل کر گلدستہ کی شکل اختیار کرتے ہیں اور اسکے حسن اور دیدہ زیبی میں اضافہ کرتے ہیں۔

اسی طرح علاقائی ثقافتی میراث قومی ثقافت کی تشکیل کرتی ہے جس کو پرورش کیلئے مسلسل نگہداشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ پاکستان کو ایک بار پھر سیاسی اختلافات اور اقتصادی ناہمواری کا سامنا ہے۔ مسائل کے حل میں سوجھ بوجھ، فہم وفراست اور برداشت کی ضرورت ہے۔ بندوق اور تلوار کے دھنی مسائل کے حل میں طاقت کا استعمال لازمی سمجھنے لگتے ہیں کہ انکی سمجھ سب سے ارفع اور سوچ سب سے اعلیٰ ہے حقیقت کچھ اور ہوتی ہے۔ انہیں کچھ اور نظر آتی ہے۔

(بشکریہ نوائے وقت)

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی انفرادیت

1۔ دوسرے سلسلوں کی روحانی معراج اور آخری منزل کشف وکرامات کا حصول ہے لیکن ہمارے سلسلہ میں اُنکی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ہمارے سلسلہ کا آخری مقصد اللہ کا قرب، عرفان اور لقاء کا حصول ہے۔

2۔ بزرگان عظام اور اولیائے کرام کی کرامات برحق اور انکی دعاؤں کی مقبولیت مسلم لیکن ہم مشکل کشاء اور حاجت رواصرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو مانتے ہیں۔

3۔ موجودہ دور کی مصروف زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے مختصر اور سہل اوراد واذکار تلقین کیئے جاتے ہیں۔

4۔ ہمارے سلسلہ میں مجاہدہ کیلئے غصہ اور نفرت کو مکمل طور پر نفی کرنے اور عالمگیر محبت اور صداقت کو اختیار کرنے کی مشق کروائی جاتی ہے۔ یہ تربیت گھر کی چاردیواری کے اندر احسن طریقے سے ہوسکتی ہے۔

5۔ بانی سلسلہ توحیدیہ کے وصیت نامہ کے مطابق سلسلہ توحیدیہ کے روحانی پیشوا کا منصب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے غیر وارثتی ہوگا۔

6۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم مذہبی گروہ بندیوں اور فرقہ واریت سے بالاتر اور وسعت قلب ونظر کی مظہر ہے۔

7۔ ہمارے سلسلہ میں مریدوں کی تعداد بڑھانے کیلئے اندھا دھند بیعت نہیں کیا جاتا ہر شخص کو بیعت کرنے سے پہلے کم از کم چھ ماہ طالب رکھا جاتا ہے تاکہ وہ جماعت کے مقاصد سے اچھی طرح آگاہ ہوکر داخل سلسلہ ہو۔

8۔ سلسلہ توحیدیہ میں متوازی زندگی بسر کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ جس میں نہ تو دنیا کو ترک کرنے کی اجازت ہے اور نہ ہی اِس میں غرق ہوجانے کی۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

تعمیر ملت

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

چراغ راہ

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔

سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔

زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔

تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

طریقت توحیدیہ

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

حقیقت وحدت الوجود

وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:-

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

Website: www.toheedia.net